شریعت، طریقت اور اجتماعیت پر مبنی دینی شعور کا نقیب

ماہنامہ رحیمیہ لاہور

بانی: حضرت اقدس مولانا **شاہ سعید احمد** رائے پوریؒ
قدس اللّٰہُ سِرّہٗ السّعید مسند نشین رابع خانقاہِ عالیہ رحیمیہ رائے پور

مدیر اعلیٰ: حضرت اقدس مولانا مفتی **عبد الخالق آزاد** رائے پوری
جانشین حضرت اقدس رائے پوری رابع

فروری 2020ء / جُمادیٰ الاُخریٰ ۱۴۴۱ھ — جلد نمبر 12، شمارہ نمبر 2 — قیمت: 20 روپے — سالانہ ممبرشپ: 200 روپے — تین سالہ ممبرشپ: 500 روپے

www.rahimia.org

ارشادِ گرامی

حضرت اقدس مولانا **شاہ عبد القادر** رائے پوری قدس سرہ
مسند نشین ثانی
خانقاہ عالیہ رحیمیہ رائے پور

حضرتؒ سے دریافت کیا گیا کہ:

اسلام نے معاشرت کی کچھ ایسی باتیں بھی بتائی ہیں، جو بغیر جغرافیائی اختلاف کے ہر جگہ یکساں قابلِ عمل ہوں؟

حضرت والاؒ نے فرمایا: ہاں! مثلاً (حضور ﷺ کا یہ فرمان) کہ:

''اپنے بھائی کے لیے وہی چاہو جو اپنے لیے چاہتے ہو۔'' (بخاری، حدیث 13)

حضرت (شاہ عبد الرحیم رائے پوری) رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا کہ:

''اگر اس ایک حدیث پر عمل ہو جائے تو دنیا کے جھگڑے مٹ جائیں اور برائے نام کوئی جھگڑا رہے۔''

(۲۲ر رمضان المبارک ۱۳۶۵ھ/20/اگست 1946ء، بروز: ہفتہ۔ مقام: رائے پور)

(ارشادات حضرت شاہ عبد القادر رائے پوریؒ، ص 160، طبع: رحیمیہ مطبوعات، لاہور)

مجلس ادارت

سرپرست: ڈاکٹر مفتی سعید الرحمٰن
صدر: مفتی عبد المتین نعمانی
مدیر: محمد عباس شاد

ترتیبِ مضامین

- حضرت آدمؑ کو سجدے کا حکم اور شیطان کی بغاوت
- اچھا مسلمان بننے کا طریقہ
- حضرت عمرو بن العاصؓ فاتحِ مصر (1)
- بدلتا ہے رنگ آسماں کیسے کیسے!
- انسان کی حقیقی کامیابی کی نوعیت (2)
- پانچویں خلیفہ راشد حضرت عمر بن عبد العزیزؒ (1)
- خوش حالی کا سال
- ایران، عراق اور امریکا
- کوئی معاشرہ اعلیٰ تعلیم کے بغیر ترقی نہیں کر سکتا
- ہم نے اپنے جینئیس مفکرین کی تعلیم کو پسِ پشت ڈال دیا ہے
- تعلیم یافتہ طبقے کا ہمارے ملک سے برین ڈرین ہو رہا ہے
- قرآن حکیم کا اعلیٰ علم ہی ہماری ترقی کا ضامن ہے
- سَحبانُ الهِند حضرت مولانا احمد سعید دہلویؒ
- ادارہ رحیمیہ میں 22 روزہ دورۂ تفسیر قرآن حکیم کی رُوداد
- ناظمِ اعلیٰ ادارہ کا بیت الحکمت، ہمدرد یونیورسٹی، کراچی کا دورہ
- دینی مسائل

ادارہ رحیمیہ علوم قرآنیہ (ٹرسٹ) لاہور

رحیمیہ ہاؤس، 33/A کوئینز روڈ (شارع فاطمہ جناح) لاہور
0092-42-36307714,36369089-www.rahimia.org
Email: info@rahimia.org
رحیمیہ کا انگلش ایڈیشن ہماری ویب سائٹ پر پڑھا جا سکتا ہے۔

رقومات کی ترسیل بنام ''ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ ٹرسٹ لاہور'' اکاؤنٹ نمبر **0010030341820010** **الائیڈ بینک** مزنگ چونگی برانچ لاہور، برانچ کوڈ **0533**

درسِ قرآن

تفسیر: شیخ التفسیر مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری

حضرت آدمؑ کو سجدے کا حکم اور شیطان کی بغاوت

وَ اِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓىِٕكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اَبٰى وَ اسْتَكْبَرَ ٞ وَ كَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۳۴﴾ (34:2)

(اور جب ہم نے حکم دیا فرشتوں کو کہ سجدہ کرو آدم کو، تو سب سجدے میں گر پڑے، مگر شیطان۔ اس نے نہ مانا اور تکبر کیا۔ اور تھا وہ کافروں میں سے۔)

گزشتہ آیات سے یہ حقیقت آشکار ہوئی کہ حضرت آدم علیہ السلام اپنی اعلیٰ علمی استعداد کی وجہ سے خلافت اور حکومت کے مستحق قرار پائے۔ فرشتے اور جنات اپنی لاعلمی کے سبب اس بلند عہدے کے مستحق نہیں ٹھہرے۔ اس آیت میں حضرت آدمؑ کی خلافت اور حکومت کا اعلان کرتے ہوئے فرشتوں اور جنات کو اُنھیں سجدۂ تعظیمی کا حکم دیا گیا ہے۔

وَ اِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓىِٕكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ : اللہ نے اس زمین پر حضرت آدمؑ کی خلافت کا اعلان کرتے ہوئے کائنات کی تمام قوتوں کا نظام چلانے والے فرشتوں اور جنات کو حکم دیا کہ حضرت آدمؑ کو سجدہ کرو۔ چوں کہ آدمؑ کے قلب میں اللہ کی اعلیٰ ترین صفت علم کی تجلی کا ظہور ہوا تھا، جو اپنی بلند تر حیثیت منوا چکا تھا، اس لیے یہ سجدہ دراصل اللہ کی اُس تجلیٔ علم کے سامنے اپنی سپردگی اور فرماں برداری کا اظہار تھا۔ فرشتوں کا حضرت آدمؑ کو اس طرح سجدہ کرنا دراصل اللہ تبارک وتعالیٰ کی اطاعت کا اظہار تھا۔

فرشتوں کا حضرت آدمؑ کو سجدہ کرنا اس بات کا اظہار بھی تھا کہ دنیا میں اعلیٰ استعداد کے حامل انسان کے احکامات کی ہم فرماں برداری کریں گے۔ اس کے کسی حکم کی خلاف ورزی نہیں کریں گے۔ اس سجدۂ تعظیمی کی حیثیت ایسی ہی ہے، جیسا کہ کسی شخص کو کسی علاقے کا خلیفہ اور حکمران بنایا جاتا ہے تو وہاں کی تمام انتظامی اور عسکری فورسز کو حکم دیا جاتا ہے کہ اُسے سلامی اور گارڈ آف آنر پیش کیا جائے۔ اس طرح وہ اس کے ہر حکم کو بجا لانے اور ماننے کا عملی اظہار کرتی ہیں۔ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ فرماتے ہیں:

’’جب حضرت آدم علیہ السلام کا خلیفہ ہونا مُسلَّم ہو چکا تو فرشتوں کو اور اُن کے ساتھ جنات کو حکم ہوا کہ حضرت آدمؑ کی طرف سجدہ کریں اور اُن کو قبلۂ سجود بنائیں۔ جیسا کہ سلاطینِ اوّل (پہلے) اپنا ولی عہد مقرر کرتے ہیں، پھر ارکانِ دولت کو (اُس کے سامنے) نذریں پیش کرنے کا حکم کرتے ہیں، تا کہ کسی کو سرتابی کی گنجائش نہ رہے۔‘‘

فَسَجَدُوْٓا : چناں چہ زمین پر موجود ملاءِ سافل کے تمام فرشتوں اور نیک سیرت جنات نے حضرت آدمؑ کو سجدہ کیا۔ اس کے بعد سے فرشتے زمین میں انسان کے حکم کے مطابق عمل کرنے کے پابند ہوگئے۔ اُن کی طرف سے حضرت آدمؑ کے حکم کی اطاعت اور فرماں برداری دراصل اللہ تبارک وتعالیٰ کی اطاعت اور فرماں برداری قرار پائی۔

اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اَبٰى وَ اسْتَكْبَرَ ٞ: جنات میں سے ابلیس نے حضرت آدمؑ کو سجدہ نہیں کیا۔ اُس نے اُن کی خلافتِ ارضی کو ماننے سے انکار کر دیا اور تکبر کیا۔ اس کی حقیقت یہ ہے کہ دراصل انسان اپنے وجود میں جسمانی بدن، روحِ حیوانی اور روحِ حقیقی کا مجموعہ ہے۔ اُس کا جسمانی بدن جیسے عناصرِ ارضی میں موجود غذائیت سے مستفید ہوتا ہے، ایسے ہی اُس کی روحِ حیوانی‘ عالمِ مثال کی نظر نہ آنے والی ملاءِ سافل کی قوتوں (فرشتوں اور جنات) سے بھی مدد حاصل کرتی ہے۔ ملاءِ سافل سے متعلق عالمِ مثال میں جِنّات ایک ایسی مخلوق ہے، جو انسان کے بدن میں جاری نسمۂ حیوانی سے مشابہت رکھتی ہے۔ اس لیے انھیں بھی یہ حکم دیا گیا تھا کہ وہ فرشتوں کے ساتھ مل کر حضرت آدمؑ کو سجدہ کریں، یعنی اُس کی روحِ حیوانی کو مدد پہنچائیں۔ اس پر سوائے ابلیس کے سبھی نیک سیرت جنات نے بھی سجدہ کیا۔ شیطان نے حضرت آدمؑ کی خلافت اور حکمرانی کا انکار کر دیا۔ اُس نے حضرت آدمؑ کے نسمۂ حیوانی کو مدد دینے کے بجائے اُس میں وسوسے ڈال کر گمراہ کرنے کا ارادہ ظاہر کیا۔ اس طرح اُس نے تکبر اور غرور کرتے ہوئے اللہ کے احکامات کو نہ مانا اور حضرت آدمؑ کی خلافت کو تسلیم نہیں کیا۔ حضرت شیخ الہندؒ تحریر فرماتے ہیں:

’’سب نے سجدۂ مذکور ادا کیا، سوائے ابلیس کے کہ اصل سے جنات میں تھا اور ملائکہ کے ساتھ کمال اختلاط رکھتا تھا۔ اس کی سرکشی کا سبب یہ ہوا کہ جنات چند ہزار سال سے زمین میں متصرف تھے اور آسمان پر بھی جاتے تھے۔ جب اُن کا فساد اور خون ریزی بڑھی تو ملائکہ نے بہ حکمِ الٰہی بعض (جنات) کو قتل کیا اور بعض کو جنگل، پہاڑ اور جزائر میں منتشر کر دیا۔ ابلیس ان میں بڑا عالم و عابد تھا۔ اس نے جنات کے فساد سے اپنی بے لوثی (لاتعلقی) ظاہر کی۔ فرشتوں کی سفارش سے یہ بچ گیا اور انھیں میں رہنے لگا۔ اور اس طمع میں — کہ تمام جنات کی جگہ اب صرف مَیں زمین میں متصرف (حکمران) بنایا جاؤں — عبادت میں بہت کوشش کرتا رہا اور خلافتِ ارضی کا خیال پکاتا رہا۔ جب حضرت آدمؑ کی نسبت خلافت کا حکمِ الٰہی ظاہر ہوا تو ابلیس مایوس ہوا اور عبادتِ ریائی کے رائیگاں (ضائع ہو) جانے پر جوشِ حسد میں سب کچھ کیا اور ملعون ہوا۔‘‘

وَ كَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۳۴﴾ : شیطان حضرت آدمؑ کی خلافت کا انکار کر کے کافروں میں سے ہوگیا۔ حقیقت میں وہ پہلے سے ہی اللہ کے احکامات کا منکر تھا۔ زمین کی خلافت اور حکمرانی حاصل کرنے کے لیے ظاہری طور پر عبادات میں مشغول رہا۔ جب اس نے حضرت آدمؑ سے حسد کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا حکم ماننے سے انکار کیا تو اس کا کفر ظاہر ہوا۔ حضرت آدمؑ سے اس کا حسد یہاں تک پہنچا کہ اُس نے اولادِ آدم کی روحِ حیوانی میں وسوسے ڈال کر انھیں گمراہ کرنے کا اعلان کیا۔ چناں چہ شیطان اور اُس کی ذریت خود بھی انسانیت کو گمراہ اور کافر بنانے کے لیے وسوسے ڈالتی رہی اور بعض حیوانات مثلاً سانپ بچھو وغیرہ کو اپنے زیرِ اثر کر کے انسانوں کو ایذا پہنچانے کے لیے استعمال کرتی ہے۔ انسان ہمیشہ اُس سے خلاصی حاصل کرنے کے راستے سوچتا رہتا ہے۔ اُسے کرۂ ارض پر مطمئن زندگی بسر کرنے کے راستے میں شیطان رُکاوٹ بنتا ہے۔ یہاں تک کہ بعض انسان بھی ابلیس سے دوستی کر کے انسانیت کے لیے طاغوتی اور شیطانی کردار ادا کرتے ہیں۔ اس طرح انسان کو گمراہ کر کے دنیا کو جہنم بنانے اور آخرت کی جہنم تک پہنچانے کا کام کرتے ہیں۔

www.rahimia.org

درسِ حدیث

از: مولانا ڈاکٹر محمد ناصر، جھنگ

اچھا مسلمان بننے کا طریقہ

عن ابی هريرةؓ قال: سمعتُ رسول الله ﷺ يقول: ''خياركم إسلاماً أحاسنكم أخلاقاً إذا فقهوا.'' (الادب المفرد للبخاری، 285)

(حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے۔ انھوں نے کہا کہ میں نے نبی ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ: ''تم میں اسلام قبول کرنے کے اعتبار سے بہترین لوگ وہ ہیں، جن کے اَخلاق اچھے ہیں، جب وہ سمجھ بوجھ حاصل کرلیں۔'')

اس حدیث کی رُو سے اسلامی معاشرے میں بہترین لوگ وہ کہلائیں گے جن کے اَخلاق اچھے ہوں۔ اَخلاق کی اچھائی کا معیار یہ ہے کہ انسان اپنے قول و فعل، معاملات اور رویوں کے حوالے سے درست ہو۔ سچ بولتا ہو، دیانت دار ہو، امانت دار ہو، دوسروں کے لیے نفع مند اور اُن کے حقوق کا خیال رکھنے والا ہو۔ دوسروں کی پریشانیوں اور مشکلات میں ان کی مدد کرنے والا اور ان کی خوشیوں کو دوبالا کرنے والا ہو۔ دوسروں کی جان و مال اور عزت و آبرو کا محافظ ہو۔ مذکورہ اُمور کا لحاظ دینِ اسلام میں نہایت ہی اہمیت کا حامل ہے۔ اسی بنا پر نبی اکرم ﷺ نے اپنی بعثت کا یہ مقصد بیان فرمایا: ''مجھے اَخلاق کی تکمیل کے لیے بھیجا گیا ہے۔'' (رواہ البخاری) مگر آج جھوٹ عام ہے، بددیانتی ہے، دھوکا فریب اور دوسرے انسانوں کے حقوق کی پامالی ہے۔ بیشتر انسان اپنی ذات کے خول میں بند ہیں۔ اپنے فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی کا شکار ہیں۔ ہم سب یہ خواہش رکھتے ہیں کہ ہمارے اَخلاق اچھے ہوں اور ہماری اولاد کی اچھی تربیت ہو، لیکن سوال یہ ہے کہ اَخلاق کی درستی کیسے ہوتی ہے؟ اسے امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے یوں بیان کیا ہے کہ: ''اَخلاق علوم سے نہیں، ماحول سے بنتے ہیں۔'' (البدور البازغہ) یعنی اَخلاق کی بہتری کے لیے انسان کے اردگرد کے ماحول کا درست ہونا ضروری ہے۔

آج اَخلاق کی خرابی کی بنیادی وَجہ ہمارے گردوپیش کے ماحول اور نظام کی خرابی ہے، جو سرمایہ پرستی اور دولت کی حرص کی وجہ سے ہے۔ یہاں کا نظام ناجائز خواہشات کی پرورش کرتا اور انھیں پورا کرنے کے لیے ہر حربہ اختیار کرنے کی دعوت دیتا ہے۔ ظاہر ہے ایسے ماحول میں انسان کے اَخلاق درست نہیں رہ سکتے۔ یہ بات مسلمہ ہے کہ اچھے یا بُرے اَخلاق کی پرورش گردوپیش کے ماحول ہی میں ہوتی ہے۔ اس لیے اَخلاق کی درستی اسی صورت میں ممکن ہے جب ہمارے گردوپیش کا ماحول درست ہو۔ وہ یہ ہے کہ عقائد کے درست اور مکمل فہم و ادراک کے بعد انسانی خدمت، عمدہ اَخلاق، اعلیٰ اوصاف اور دین کے بلند فکر اور انسان دوست معاشی، سیاسی اور سماجی تصورات کا غلبہ ہو۔ یہ مقصد بھی خود بہ خود حاصل نہیں ہوجاتا۔ اس کے لیے ایک اجتماعی کوشش کی ضرورت ہوتی ہے۔ اگر ہم اپنے اَخلاق کا معیار بہتر کرنا چاہتے ہیں اور نبی اکرمؐ کے اس ارشاد پر پورا اُترنا چاہتے ہیں تو ہمیں اپنے گردوپیش اور نظام کو بدلنے اور اس میں جوہری تبدیلی لانے کی کوشش کا کم از کم آغاز ضرور کردینا چاہیے۔

صحابہؓ کا ایمان افروز کردار

مولانا قاضی محمد یوسف، حسن ابدال

حضرت عمرو بن العاصؓ فاتحِ مصر (1)

حضرت عمرو بن العاصؓ کا نام: عمرو، کنیت: ابوعبداللہ اور ابومحمد، والد کا نام: عاص اور والدہ کا نام: نابغہ قرشی سہمی تھا۔ آپؓ کا قبیلہ ''بنوسہم'' زمانۂ جاہلیت سے معزز چلا آتا تھا۔ قریش کے سیاسی نظام میں مقدمات نمٹانے کا عہدہ اسی خاندان میں تھا۔ آپؓ عرب کے نہایت دانش ور لوگوں میں سے تھے۔ اپنے دور میں بڑے زیرک حضرات میں شمار ہوتے تھے۔ اس لیے آپؓ کو ''دُھاۃِ عَرَب'' (عرب کے نہایت اہم لوگ) کہا جاتا تھا۔

اسلام کی طرف میلان: شروع میں حضرت عمروؓ اگرچہ اسلام اور پیغمبرِ اسلامؐ کے سخت ترین دشمن تھے، لیکن غزوۂ خندق کے بعد سے وہ اسلام سے متأثر ہونے لگے۔ وہ اکثر دین اور اس کے انجام اور اسلام کی تعلیمات پر غور کیا کرتے تھے۔ آپؓ فرماتے تھے کہ اس غور و فکر سے اسلام کی حقیقت مجھ پر ظاہر ہونے لگی۔ میرا دل متأثر ہونے لگا اور میں نے مسلمانوں کی مخالفت سے رفتہ رفتہ کنارہ کشی اختیار کرنا شروع کی۔ قریش نے اس کو محسوس کیا اور اس کی حقیقت دریافت کرنے کے لیے ایک شخص بھیجا۔ اس نے مجھ سے بحث کرنا شروع کی۔

میں نے اس سے کہا: بتاؤ! ہم حق پر ہیں یا فارس و روم والے؟ اس نے کہا: ہم۔ پھر میں نے پوچھا کہ: ان کو عیش و تنعّم میسر ہے یا ہم کو؟ اس نے کہا: ان کو۔ میں نے کہا: ''اگر اس عالَم کے بعد دوسرا عالَم نہیں ہے تو ہماری حق پرستی کس کام آئے گی، جب کہ ہم دنیا میں بھی باطل پرستوں کے مقابلے میں تنگ حال رہے اور دوسرے عالَم میں بھی بدلے کی کوئی امید نہ ہو۔ اس لیے محمدؐ کی یہ تعلیم کہ ''مرنے کے بعد ایک دوسرا عالَم ہوگا، جہاں ہر شخص کو اس کے اعمال کے مطابق جزا و سزا ملے گی'' کس قدر صحیح و دل نشیں ہے۔''

غزوۂ خندق کے بعد آپؓ کو آں حضرتؐ کی کامیابی کا پورا یقین ہوگیا تھا۔ یہی یقین ان کے اسلام کا ذریعہ بنا، جس کی تفصیل ''مسند احمد بن حنبل'' میں خود ان کی زبانی مذکور ہے۔ قبولِ اسلام کے بعد آپؓ مکہ واپس چلے گئے۔ پھر کچھ ہی دنوں بعد ہجرت کرکے مدینہ آئے۔ فتحِ مکہ کے بعد تمام غزوات میں شرکت کی اور دیگر تمام اجتماعی ذمہ داریاں نبھائیں۔ فتحِ مکہ کے بعد جب آں حضرتؐ نے آس پاس کے حکمرانوں کے نام دعوتِ اسلام کے خطوط بھیجے تو عمان کے حاکموں عبید و جیفر کے پاس خط لے جانے کی خدمت حضرت عمرو بن عاصؓ کے سپرد ہوئی۔ اس خط پر وہ دونوں مشرف بہ اسلام ہوئے اور حضورؐ نے آپؓ کو عمان کا عامل مقرر کردیا۔ (اُسد الغابہ 4/117) آپؓ حضورؐ کی وفات تک یہیں مقیم رہے۔ فتنۂ ارتداد ختم ہونے کے بعد حضرت صدیق اکبرؓ نے عراق و شام کی طرف توجہ کی اور ۱۳ھ/634ء میں حضرت عمروؓ کو فرمایا کہ: ''اب میں تم کو ایسے کام میں لگانا چاہتا ہوں، جو تمھاری دنیا و آخرت دونوں کے لیے مفید ہے۔'' انھوں نے جواب دیا کہ: ''میں اللہ کا ایک تیر ہوں اور آپؓ اس کے تیرانداز ہیں۔ اس لیے آپ کو اختیار ہے، جدھر چاہیں اُدھر پھینکیں۔'' (طبری: 4/82) چناں چہ حضرت ابوبکرؓ نے آپؓ کو عمان سے واپس بلاکر فلسطین کی مہم پر مامور کیا، جہاں آپؓ نے کارہائے نمایاں سرانجام دیے۔

www.rahimia.org

شذرات

بدلتا ہے رنگ آسماں کیسے کیسے!

گزشتہ دنوں ایک پریس کانفرنس کے دوران پاکستان کی ایک مذہبی سیاسی جماعت کے امیر نے یہ انکشاف کرکے کہ ''افغان جہاد امریکا اور مغرب کی خواہش پر ہوا تھا۔'' ایک طرح سے انھوں نے نہ صرف اعترافِ جرم کرلیا ہے، بلکہ تاریخ کے بہت سے سوالات بھی حل کردیے ہیں۔ وہ یوں گویا ہوئے: ''نوجوانوں کو جہاد کی طرف لے جانا، اس کی ترغیبات دینا، افغان جہاد کے دوران امریکا اور مغرب کی خواہشات پر ہوا تھا۔ وہ اپنے مفادات کے لیے جہاد کے نام پر مذہبی طبقے کی قربانیاں چاہ رہے تھے، جس سے ہمارے مدارس میں یہ رُجحان بڑھا۔ مدارس نے کنٹرول کیا ہے اب۔ جمعیت علمائے اسلام نے اس کو کنٹرول کیا۔ اس حلقے کو پاکستان کے ساتھ وابستہ رکھنے، قانون اور آئین کے ساتھ وابستہ رکھنے، جمہوریت کے ساتھ وابستہ رکھنے میں ہمیں 16-15 سال لگانے پڑے ہیں۔ ہماری محنت ہے۔ اور اگر کوئی بندوق والا ہے بھی تو، ذرا وقت ہے، تھوڑا انتظار کیجیے۔ یہ بھی تاریخ آپ کو واضح طور پر بتادے گی کہ پاکستان میں طالبانائزیشن، اسلحے کی طرف رغبت دینا، اس کے پیچھے مدرسہ تھا یا ہماری اسٹیبلشمنٹ تھی؟ یہ وقت بتائے گا۔ میں ابھی کسی پر الزام نہیں لگاتا، لیکن آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ ذرا تھوڑا سا انتظار کریں، حالات خود تصدیق کریں گے کہ اس کا محرک کون تھا؟ کیا مقاصد تھے ان کے؟ کیا وہ achieve (حاصل) کرنا چاہتے تھے؟ یہ سب آنے والے حالات میں چمکتے ہوئے روشن پانی کی طرح واضح ہوجائے گا۔''
(پریس کانفرنس، بتاریخ 16/جنوری 2020ء، بمقام جامعہ اسلامیہ، کشمیر روڈ، راولپنڈی)

تاریخ، جرائم اور کارناموں دونوں کے ریکارڈ کو محفوظ رکھتی ہے۔ پھر وہ اپنے ریکارڈ کا تعاقب بھی کرتی ہے۔ بہت قریب کی تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ جب ملک میں ''جہاد'' کے بارے میں موسم خوش گوار بنایا گیا تھا تو یہی طبقہ اپنے جہادی کارناموں کو قوم کے سامنے بڑے فخر سے پیش کیا کرتا تھا۔ اسی جماعت کے ترجمان پرچے کا یہ حوالہ تاریخ میں آج بھی محفوظ ہے۔ ملاحظہ ہو: ''افغانستان میں سب سے پہلے جہاد کا فتویٰ مولانا مفتی محمود نے دیا تھا۔ یہ فتویٰ انھوں نے اکتوبر 1979ء میں دیا تھا اور اپنی علالت کے باعث بڑے صاحبزادے مولانا فضل الرحمٰن کو جنوبی وزیرستان کے علاقے مکین میں منعقدہ علما کے جرگے میں بھجوا کر وہاں افغانستان میں جہاد و مزاحمت اور ہجرت کے باقاعدہ شرعی جواز کا اعلان کیا گیا تھا۔'' (ماہنامہ ''الجمعیۃ'' راولپنڈی، اکتوبر 1999ء)

علاوہ ازیں قاری محمد عثمان ناظمِ اطلاعات جمعیت علمائے اسلام صوبہ سندھ، افغانستان کے ایک سفر کی رپورٹ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''امیر موصوف جب افغانستان کی سپریم کونسل کے سربراہ ملا محمد ربانی کے انتقال پر 50 سے زائد مرکزی و صوبائی عہدے داران کے ساتھ ملا محمد عمر سے تعزیت کے لیے 28/اپریل 2001ء کو کراچی سے قندھار گئے۔ قندھار پہنچنے پر ملا عمر نے اس وفد سے خطاب کرتے ہوئے کہا: ''جمعیت علمائے اسلام ہی جہادِ افغانستان کی بنیاد اور پشتیبان رہی ہے۔ قائدِ جمعیت، مفکرِ اسلام، حضرت مولانا، مفتی محمود نے سب سے پہلے جہادِ افغانستان کا تاریخ ساز فتویٰ دیا تھا، جس کی بنیاد پر افغانستان میں جہاد شروع ہوا اور اسلامی اَمارت میں عالمِ اسلام کے اس مفتیٔ اعظم کے تاریخ ساز فتویٰ کی برکت سے اسلام نافذ ہے۔ اور عالمی دیوبند کانفرنس سے طالبان کا آفاقی اور جہادی پیغام بھی عالمی سطح پر پہنچانے کا اعزاز بھی فرزند محمود مولانا فضل الرحمٰن کو حاصل ہوا۔'' بعد ازاں قندھار میں جمعیت علمائے اسلام کے ویلفیئر پروگرام کے سیکرٹریٹ میں خطاب کرتے ہوئے مولانا فضل الرحمٰن نے کہا: ''جہادِ افغانستان کا پہلا تاریخی فتویٰ قائدِ جمعیت مولانا مفتی محمود نے دیا تھا۔ آج جمعیت علمائے اسلام امارتِ اسلامی افغانستان کا ہاتھ بٹا رہی ہے۔'' (سفرِ افغانستان کی رپورٹ: ''الجمعیۃ''، ص: 14,15,16، جون 2001ء)

یہ ایک بہت ہی شرم ناک تاریخی حقیقت ہے کہ یہ سب کچھ اسلام کی ضرورت نہیں، بلکہ سرد جنگ میں اپنے حریف کو ہرانے کے لیے وقت کے طاغوت اور سامراج کی ضرورت تھی، جس سے ذیل کے دو بیانات پردہ سرکاتے ہیں اور یہ بھی تاریخی ریکارڈ کا حصہ ہیں۔ سابق امریکی وزیرِ خارجہ ہیلری کلنٹن نے اعتراف کیا ہے کہ:

"Let's remember here... the people we are fighting today we funded them twenty years ago... let's go recruit these mujahideen. And great, let them come from Saudi Arabia and other countries, importing their Wahabi brand of Islam so that we can go beat the Soviet Union."

https://www.globalresearch.ca/hillary-clinton-we-created-al-qaeda/5337222

(ہمیں یہاں یاد رکھنا ہے... آج ہم جن لوگوں سے لڑ رہے ہیں، ہم نے انھیں بیس سال پہلے مالی اعانت فراہم کی تھی... جائیں اور ان مجاہدین کو بھرتی کریں۔ ... اور بہت اچھا ہے کہ انھیں سعودی عرب اور دوسرے ممالک سے آنے دیں، تاکہ یہاں وہابی برانڈ اسلام درآمد کریں، تاکہ ہم سوویت یونین کو شکست دے سکیں۔) سعودی عرب کے ولی عہد شہزادہ محمد بن سلمان نے 29 مارچ 2018ء کو واشنگٹن پوسٹ کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا تھا کہ: ''سرد جنگ کے دور میں مغرب کی درخواست پر سعودی عرب نے دنیا بھر میں شدت پسند اسلام پھیلانے کے لیے فنڈز فراہم کیے، تاکہ سوویت یونین کا مقابلہ کیا جاسکے۔'' انھوں نے مزید کہا کہ: ''سعودی عرب کے مغربی اتحادیوں نے سرد جنگ کے دور میں درخواست کی تھی کہ مختلف ملکوں میں مساجد اور مدارس کی تعمیر میں سرمایہ لگایا جائے، تاکہ سوویت یونین کی جانب سے مسلم ممالک تک رسائی کو روکا جاسکے۔''

سرد جنگ کے آغاز کی دہائی میں ایسے سرمائے سے پوری ایک معیشت وجود میں آگئی تھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس جنگ سے فائدہ اٹھانے والے طبقے کے ہاں ڈالروں کی ریل پیل شروع ہوگئی۔ مذہب کے نام پر فساد کروانے والے طبقے برسرِروزگار ہوگئے۔ جہادی جلسے، تقریریں، کانفرنسیں، کتابیں اور لٹریچر سرِعام چھپنے اور فروخت ہونے لگے۔ گویا پورے دین کی تعبیر جہاد اور جنگ وجدل کے گرد گھومنے لگی۔ (بقیہ ص 7 پر)

www.rahimia.org

انسانی کامیابی کی حقیقت (2)

مترجم: مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری

امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ ''حُجّةُ اللّٰہِ البالِغہ'' میں فرماتے ہیں:

''جاننا چاہیے کہ انسان کی حقیقی سعادت سے متعلق امور کی دو قسمیں ہیں:

(1) پہلی قسم وہ ہے کہ جس میں انسان کے معاشی امور میں اُس کی جبلی ساخت کے مطابق اس کے نفسِ ناطقہ (روحِ حقیقی) کا فیضان ظاہر ہوتا ہے۔ (اس کی تشریح میں مولانا عبیداللہ سندھیؒ فرماتے ہیں کہ: ''اس کا اظہار کچھ اس طرح سے ہوتا ہے کہ وہ اپنی عقل کی مدد سے بہترین اور عمدہ چیزیں ایجاد کرتا ہے، جیسا کہ آج کل سفری سہولتوں کے لیے ریلوے کا نظام، بسوں اور طیاروں کی ایجاد اور اُن کا استعمال وغیرہ۔)

انسان کی اس قسم کی کامیابی سے اُسے اپنی مستقل اور حقیقی ترقی کے مطلوب اَخلاق حاصل نہیں ہوسکتے، بلکہ بسا اوقات اس قسم کے کاموں کی زیب و زینت میں حد سے زیادہ مشغولیت اُسے ترقی کے اصل مطلوبہ کمالات سے دور کر دیتی ہے۔ مثلاً کوئی آدمی اپنے اندر دلیری اور بہادری پیدا کرنے کے لیے ظاہری طور پر غصے کا اظہار کرنے اور دوسروں کو پچھاڑنے کا سہارا لے تو وہ بہادری کے فطری خُلق سے محروم رہتا ہے۔ اسی طرح کوئی آدمی ادبی حوالے سے فصیح و بلیغ زبان سیکھنے کے لیے عربوں کے صرف اشعار یاد کرنے میں لگا رہے اور اچھے خطیبوں کے خطبے یاد کرتا رہے تو وہ بھی اپنے شعروں اور خطابت میں تخلیقی فصاحت و بلاغت سے محروم رہتا ہے۔

انسان میں اَخلاق تبھی ظاہر ہوتے ہیں، جب اُن میں ایک دوسرے سے مزاحمت اور باہمی مقابلہ ہوتا ہے۔ اسی طرح ارتفاقات کی ایجاد تبھی ہوتی ہے، جب انسانوں پر نئی معاشی احتیاجات طاری ہوتی ہیں۔ صنعت کاری تبھی مکمل ہوتی ہے، جب اُس کے لیے دستیاب خام مال اور اَوزار و آلات موجود ہوں۔ یہ تمام چیزیں دُنیوی زندگی کے خاتمے پر ختم ہو کر رہ جاتی ہیں۔ پس اگر کوئی آدمی ایسی ناقص حالت میں مر گیا کہ اس قسم کی صلاحیتیں اُس کی روح سے وابستہ نہیں ہیں، تب بھی وہ انسانی ترقی کے اصل مطلوبہ کمالات سے محروم رہا۔ اور اگر اس قسم کی ترقی سے متعلق عملی صورتیں اُس کی روح کے ساتھ چمٹی رہیں تو اُس کا نقصان، اس کے نفع سے زیادہ شدید ہوگا۔

(حضرت سندھیؒ اس کی تشریح میں فرماتے ہیں کہ: ''آدمی کی ناقص حالت یہ ہے کہ آخرت میں انسانی ترقی کے اصل مطلوبہ کمال سے متصادم اعمال و اقوال ایک لمبے زمانے تک اُس کی روح سے وابستہ نہ رہے ہوں، بلکہ اُس نے صرف دنیاوی فائدے کے لیے علمی اور عملی کام سیکھے تو وہ بھی جلد ہی فنا ہو جائیں گے۔ اس طرح ایسا آدمی آخرت میں حقیقی ترقی اور کامیابی سے محروم رہے گا۔ جب کہ ترقی سے متصادم اعمال اگر اس کی روح سے زیادہ دیر تک وابستہ رہے تو وہ اُس کے لیے آخرت میں زیادہ خسارے اور نقصان کا باعث بن جائیں گے۔)

(2) انسانی ترقی کی دوسری قسم یہ ہے کہ انسانی روح ایسی حالت میں ہو کہ:

(الف) اس کی بہیمیت کو مَلَکیت کا پختہ یقین حاصل ہو جائے۔ وہ روحِ مَلَکوتی کے حکم کے مطابق کام کرے اور اُس کے رنگ میں رنگی جائے۔

(ب) اُس کی روحِ مَلَکوتی، اُس کی روحِ حیوانی کے پست اَخلاق و کردار کو قبول نہ کرے۔ اور اس میں بہیمیت کے کم تر درجے کے عملی نقش و نگار ایسے طور پر منقش نہ ہوں، جیسا کہ مہر کے حروف موم میں منقش ہو جاتے ہیں۔

اس دوسری قسم کی ترقی اور کامیابی حاصل کرنے کا اس کے علاوہ اَور کوئی راستہ نہیں ہے کہ جب انسان کی مَلَکی روح کسی چیز کا تقاضا کرے اور بہیمیت کو اُس کا حکم دے تو وہ اس کے سامنے جواب دہ ہو اور اس کی فرماں بردار بنے، اس کے حکم کی خلاف ورزی نہ کرے اور اُس کے راستے میں رُکاوٹ نہ کھڑی کرے۔ اس کے بعد مَلَکی قوت بار بار روحِ حیوانی سے اُن اچھے کاموں کا تقاضا کرے اور اس کی روحِ حیوانی ہر بار اُس کی فرماں برداری کرے۔ یہاں تک کہ اُس کی بہیمیت کو مَلَکیت کے احکامات کو پورا کرنے کی عادت اور مشق ہو جائے۔ وہ کام جن کا مَلَکیت ذاتی طور پر تقاضا کرتی ہے اور بہیمیت کی مخالفت کے باوجود اُس کو صحیح کام کرنے پر مجبور کرتی ہے، وہ صرف وہی کام اور اعمال ہو سکتے ہیں کہ جن میں ملکیت کو خوشی اور انشراح حاصل ہوتا ہے، جب کہ بہیمیت کو اُس سے دلی تنگی اور انقباض پیدا ہوتا ہے۔ چناں چہ:

(الف) انسان کا ''تشبُّہ بالمَلَکوت'' (فرشتوں سے مشابہت) اور ''تطلُّع إلی الجَبَروت'' (ذاتِ باری تعالیٰ کی طرف توجہ اور انہماک) حاصل کرنا' اس کی مَلَکیت کا خاصہ ہے۔ بہیمیت اس سے بہت زیادہ دور ہے۔

(ب) یا یہ کہ انسان ایسے کاموں کو چھوڑ دے، جو اس کی بہیمیت تقاضا کرے، اُن سے لذت حاصل کرے اور ان کو زیادہ سے زیادہ کرنے کا شوق رکھتی ہو۔

اس دوسری قسم میں (مَلَکیت کے تقاضے سے کیے جانے والے کاموں کو) ''عبادات'' اور (بہیمیت کے تقاضے چھوڑنے کو) ''ریاضات'' کہا جاتا ہے۔

انسانی ترقی اور حقیقی کامیابی سے متعلق اس مقام کی تحقیق کا آخری نتیجہ یہ معلوم ہوا کہ حقیقی کامیابی اور سعادت عبادات کے بغیر حاصل نہیں کی جاسکتی۔ چناں چہ (اس کائنات کی عمومی) ''مصلحتِ کلیہ'' انسانی صورتِ نوعیہ کے راستے سے انسانوں کو درجِ ذیل امور کے لیے پکارتی رہتی ہے اور تاکید کے ساتھ انھیں کرنے کا حکم دیتی ہے کہ وہ:

1۔ (پہلی قسم سے متعلق) دنیاوی ترقی کے امور کی ثانوی کمال کے طور پر بہ قدرِ ضرورت اصلاح کرے۔

2۔ انسان کا اصل مطمحِ نظر اور انتہائی مقصد انسانی نفس کی تہذیب کرنا ہو۔ اُسے ایسی کیفیات سے مزین کرنا کہ جو ملاءِ اعلیٰ کے بالائی نظام سے مشابہت رکھتی ہو اور وہ عالَمِ جَبروت اور مَلَکوت کے فیوض و برکات کے نزول کا سبب بنے۔

3۔ اور یہ کہ اُس کی بہیمیت کو اُس کی مَلَکیت کا پختہ یقین ہو اور وہ اُس کی فرماں بردار بنے اور اس کے احکامات کا مظہر بنے۔ (بقیہ ص 7 پر)

www.rahimia.org

تاریخِ اسلام کے ناقابلِ فراموش واقعات

مفتی محمد اشرف عاطف، لاہور

پانچویں خلیفہ راشد حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ (1)

اُموی خلافت کے ساتویں خلیفہ سلیمان بن عبدالملک نے اُموی خلافت کے ایک بارسوخ قانونی مشیر رجاء بن حیوہ سے عمر بن عبدالعزیزؒ کے بارے میں رائے طلب کی تو انھوں نے کہا: ''بہ خدا وہ بڑے قابل تعریف صفات کے مالک اور سچے مسلمان ہیں۔'' چناں چہ اہلِ علم وتقویٰ کی رائے پر سلیمان بن عبدالملک نے اپنے بعد حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو اپنا جانشین مقرر کیا۔ چناں چہ سلیمان کے انتقال کے بعد عمر بن عبدالعزیزؒ خلافتِ بنواُمیہ کے آٹھویں خلیفہ بنے۔ اس وقت اُن کی عمر تقریباً سینتیس سال تھی۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے والد عزیز بن مروان مصر کے گورنر تھے اور اُن کی والدہ حضرت عمر فاروقؓ کی پوتی تھیں، یعنی حضرت عاصم بن عمر فاروقؓ کی بیٹی تھیں۔ حضرت عمر فاروقؓ فرمایا کرتے تھے کہ میری اولاد میں سے ایک شخص ہوگا، جس کے چہرے پر زخم کا نشان ہوگا۔ وہ زمین کو عدل وانصاف سے بھر دے گا۔ کہتے ہیں کہ بچپن میں گھوڑے نے عمر بن عبدالعزیزؒ کو لات ماری تو اُن کا چہرہ زخمی ہوگیا۔ تو اُن کے والد اُن کے چہرے سے خون صاف کر رہے تھے اور یہ بھی کہہ رہے تھے: ''اگر تم واقعی داغ دار ہو تو تم نہایت سعادت مند ہو۔'' خلیفہ بننے سے پہلے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے بچپن اور جوانی کا بڑا حصہ مدینہ منورہ میں گزرا۔ انھوں نے مسجدِ نبویؐ میں حدیث اور فقہ کے حلقوں میں شرکت کی۔ فقہائے مدینہ کی صحبت میں خاصا وقت گزارا۔ علم، فضل اور تفقہ میں اُن کا وہ مرتبہ تھا کہ اگر خلیفہ نہ ہوتے تو ائمہ شرع میں ان کا شمار ہوتا۔

خلافت سے پہلے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی سالانہ آمدنی تقریباً چالیس ہزار دینار تھی۔ یہ سب کچھ اُن کو اپنے والد سے وراثت میں ملا تھا۔ ولید بن عبدالملک کے زمانۂ خلافت میں آپؒ مدینہ منورہ کے گورنر بھی رہے۔ اس وقت آپ کی عمر تقریباً چھبیس سال تھی۔ مدینہ کی گورنری کے زمانے میں آپؒ نے مسجدِ نبویؐ کی توسیع وتزئین کروائی۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ ۹۹ھ/717ء میں خلافت کے منصب پر فائز ہوئے۔ آپؒ نے کثیر الجہات اصلاحات کیں۔ سب سے پہلے اہم ہدف مالی اصلاحات تھیں۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اُموی اکابر کو سرکاری خزانے سے جو امداد ملتی تھی، وہ بند کردی۔ اس پر یہ اکابر سخت برہم ہوئے اور آپؒ کے نام ایک بااثر شخصیت سے احتجاجی مراسلہ لکھوایا کہ: ''تم نے اپنے پیش رَو خلفا کی توہین کی ہے اور اُن سے مختلف راستہ اختیار کیا ہے۔ ان کے طریق کو غیر منصفانہ بتاتے ہوئے رشتہ داروں کے ساتھ تمھارا سلوک صلہ رحمی کے منافی ہے۔ اگر تم نے یہی روش اختیار کی تو جلد خلافت سے محروم کر دیے جاؤ گے۔'' آپؒ نے جواباً لکھا کہ: ''میں نے بیت المال کا سرمایہ — جس میں محروم المعیشت لوگوں کا حق ہے — کو ان لوگوں سے محفوظ کیا ہے، جو غیر مستحق تھے۔ اس لیے میں یہ سمجھتا ہوں کہ میں نے جو قدم اٹھایا ہے، وہ عدل وانصاف کے مطابق ہے۔''

ملکی معیشت

محمد کاشف شریف، راولپنڈی

خوش حالی کا سال

وزیرِاعظم نے نئے سال کے آغاز میں قوم کو خوش خبری سناتے ہوئے عندیہ دیا ہے کہ سال 2020ء خوش حالی کا سال ہوگا۔ عین ممکن ہے کہ اُن کے پاس کچھ ایسی معلومات ہوں، جن کی بدولت وہ قوم کو اُمید دِلانے کے قابل ہوسکے ہیں، لیکن تجربہ یہ بتاتا ہے کہ اقتدار ملنے کے بعد اکثر چیزوں کے معانی بدل جاتے ہیں۔ قوی امکان ہے کہ ہمارے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی ہوا ہو۔ زمینی حقائق پر نظر ڈالیں تو حالات کی گاڑی خوش حالی کے اسٹیشن پر جاتی ہوئی نظر نہیں آرہی۔ ہماری معاشی حکمتِ عملی کہنے کو تو ہماری سیاسی مقتدرہ بناتی ہے، لیکن اُس کے اہداف کا تعین اور منظوری آئی ایم ایف سے لی جاتی ہے۔ مالی سال 20-2019ء کے آغاز پر نئے پاکستان کو کچھ اہداف دیے گئے تھے، جن میں سب سے زیادہ قابلِ ذکر وصولیوں کے اہداف تھے۔ اُن اہداف کو پورا کرنے کے لیے اضافی ٹیکسز کا انبار لگا دیا گیا۔ چناں چہ بجلی، گیس اور ایندھن کو مہنگا کیا گیا اور ترقیاتی اخراجات کو کم کر دیا گیا۔ مہنگائی کا ایک طوفان تھا جو بپا ہوا، لیکن نصف سال کا نتیجہ خراب رہا اور آئی ایم ایف کے مذکورہ مدت کے طے شدہ ہدف 2367 ارب سے 284 ارب روپے کم وصول کیے گئے ہیں۔ اس تناظر میں آئی ایم ایف نے بجلی کے نرخوں میں ایک بار پھر اضافے کا کہا ہے۔ اس کا اطلاق برآمدی صنعت پر بھی ہوگا، جو پہلے اس سے مستثنیٰ تھی۔ بجلی، گیس اور ایندھن میں گرانی عوام کو کیسے خوش حالی دلا سکتی ہے؟ معلوم نہیں۔ ہاں! یہ حکومت کو ضرور مالا مال کرسکتی ہے، لیکن محدود مدت تک، کیوں کہ گرانی بہ تدریج پیداوار کا پہیہ روک دیتی ہے اور اس کا نتیجہ ٹیکس وصولی میں کمی کی صورت میں نکلتا ہے۔

آئی ایم ایف کے دباؤ میں حکومتی اقدامات دراصل معاشی سست روی کا عندیہ دے رہے ہیں۔ دوسری جانب نسبتاً آزاد سٹیٹ بینک کی مانیٹری پالیسی ہے، جس کے تحت شرح سود میں اضافے کو دراصل مہنگائی پر قابو پانے کی ایک حکمتِ عملی کے طور پر لیا جارہا ہے، لیکن اب تک نتیجہ صفر ہے۔ ممکن ہے کہ سال 2020ء میں مہنگائی کی بڑھتی ہوئی شرح پر قابو پالیا جائے، لیکن اس میں منفی رُجحان کا خواب دیکھنا درست نہیں۔ چناں چہ بے روزگاری اور غربت میں کمی کے امکانات معدوم ہیں۔ سیاسی حالات میں توازن، حکومتی معاشی اقدامات میں تیزی اور عالمی معیشت میں ترقی کا رُجحان دراصل اس معاشی گرداب سے نکال سکتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ معاشی اقدامات، جن کا اجرا اس حکومت نے گزشتہ بجٹ پر کیا تھا، کچھ بہتری لانے میں کامیاب ہوئے ہیں، لیکن عام شہری تک اس کا اثر پہنچنے میں وقت لگے گا۔ پاکستان کی معیشت دراصل دس سے پندرہ سال کے معاشی چکر پر عمل کرتی ہے، جس کا بہت گہرا تعلق داخلی سیاسی صورتِ حال سے بھی ہوتا ہے۔ چناں چہ معاشی زوال کے تیرہ سال ہوچکے ہیں اور اب اس چکر کو معاشی سرگرمیوں میں اضافے کی طرف ہی بڑھنا ہے۔ اس حوالے سے میدان تیار کیا جاچکا ہے۔ 2020ء دراصل سرمایہ داروں کی ترقی کا سال ہے اور اس میں عوام کو بہ تدریج کچھ نہ کچھ مل ہی جائے گا۔

www.rahimia.org

عالمی منظرنامہ

مرزا محمد رمضان، راولپنڈی

ایران، عراق اور امریکا

27 دسمبر 2019ء کو امریکا کی عراق میں واقع ائیر بیس — جو اس کے صوبے کرک میں تھی — پر 30 راکٹوں سے حملہ ہوا۔ جس سے ایک امریکی سول کنٹریکٹر ہلاک ہوگیا، جب کہ سفارت خانے کے صرف چار اہل کار معمولی زخمی ہوئے۔ امریکیوں نے اس کا بدلہ لینے کے لیے 29 دسمبر 2019ء کو عراق کے دارالحکومت بغداد کے گرین ایریا میں واقع جنگ جُو تنظیم ''کتائب حزب اللہ'' کے ہیڈ کوارٹر پر حملہ کردیا۔ اس پر عراق میں مشتعل ہجوم نے بدلہ لینے کے لیے امریکی سفارت خانے کے ایک حصے پر 31 دسمبر 2019ء کو حملہ کردیا۔ جس کی ذمہ داری ایران پر عائد کرتے ہوئے امریکی صدر ڈونلڈ ٹرمپ نے ٹویٹ کیا کہ: ''ایران اس تنظیم کی پشت پناہی کر رہا ہے۔ اسی کے ایما پر حملہ کیا گیا ہے۔ ہم پورا پورا انتقام لیں گے۔'' چناں چہ 3 جنوری 2020ء بروز جمعۃ المبارک کو عراق کے دارالحکومت بغداد میں ایرانی جنرل قاسم سلیمانی پر اچانک ایک امریکی ڈرون نے حملہ کرکے انھیں قتل کردیا۔ اس حملے کی سب سے پہلی اطلاع عراقی میڈیا کے ذریعے نشر کی گئی۔ اس پر پوری دنیا میں امریکا کے خلاف شدید نفرت میں مزید اضافہ ہوگیا۔ دنیا بھر میں کسی ملک نے امریکی اقدام کی حمایت نہیں کی، بلکہ اس کے اس مذموم فعل کی بھرپور مذمت کی گئی ہے۔ چناں چہ عراقی پارلیمنٹ نے امریکا سے تقاضا کیا ہے کہ وہ ہمارے ملک سے باہر نکل جائے۔

7 جنوری 2020ء کو روسی صدر ولادی میر پیوٹن مشرقِ وسطیٰ میں پیدا ہونے والی حالیہ کشیدگی کے حوالے سے شامی صدر سے ملاقات کے لیے اچانک دمشق پہنچ گئے ہیں۔ اس کے بعد وہ رجب طیب اردگان سے ملنے کے لیے انقرہ روانہ ہوں گے۔ سیاسی تجزیہ نگاروں کا کہنا ہے کہ روس ایران کو S-300 میزائل سسٹم فراہم کرچکا ہے، جس کے باعث امریکا ایران پر حملہ نہیں کرسکتا۔ اس کے برعکس ایران نے عراق میں واقع امریکا کے فوجی اڈوں الاسد اور الاتاجی پر بیلسٹک میزائلوں سے حملہ کیا ہے۔ ساتھ ہی ایرانی وزیر خارجہ جواد ظریف کا ٹویٹ آگیا ہے کہ: ''ایران نے اپنا بدلہ لے لیا ہے۔'' خطے میں حالیہ کشیدگی کا سارا فائدہ ایران کو ہی جاتا نظر آ رہا ہے۔ امریکا کے دفاعی نظام کی قلعی کھل کر سامنے آگئی ہے۔ جو اپنی فوجی تنصیبات پر ہونے والے حملوں کا نہ صرف تدارُک نہیں کرسکا، بلکہ وہ ایران پر حملہ کرنے کی جرأت بھی نہیں کرسکا۔ شام کے بعد مشرقِ وسطیٰ کا یہ دوسرا بڑا واقعہ ہے۔ روس اور چین کی حکومتوں نے پہلے ہی صبر و تحمل کا مظاہرہ کرنے کی اپیل کی ہے۔ ان حکومتوں نے صبر آزما طویل جدوجہد اور دانائی پر مبنی حکمتِ عملی سے یہاں تک کا سفر طے کیا ہے۔ اس لیے ان کی کوشش ہے کہ یہ حالات کسی اَور کے مفادات کی بھینٹ نہ چڑھ جائیں۔ پاکستان کا بھی یہی مؤقف ہے کہ وہ اپنی سرزمین کسی کے خلاف استعمال نہیں ہونے دے گا۔ جو علاقائی طاقتوں کی کامیابی اور امریکا کی ناکامی کا عملی مظہر ہے۔

بقیہ افکار امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ

انسانی نوع کے تقاضوں کے مطابق انسانی افراد صحت مند ہوں اور اُن میں کامل اور وافر طور پر انسانیت کے احکامات پائے جاتے ہوں تو یہ بات یقینی ہے کہ وہ اپنے اندر ضرور اس ترقی اور سعادت کو حاصل کرنے کا شوق رکھتے ہیں۔ وہ اس حقیقی ترقی اور سعادت کی طرف ایسے کھنچے چلے جاتے ہیں، جیسے لوہا مقناطیس کی طرف کھنچتا ہے۔ یہ وہ بنیادی خُلق ہے کہ جس پر اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو پیدا کیا ہے۔ اور وہ فطرت ہے، جس پر اللہ نے انھیں بنایا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد میں معتدل مزاج کی حامل ہر قوم کے بڑے رہنما اور قائدین اس خُلق کی تکمیل کا اہتمام کرتے رہے ہیں اور اُسے اعلیٰ درجے کی کامیابی گردانتے رہے ہیں۔ اقوامِ عالم کے بادشاہوں، حکما اور اُن سے قریب درجے کے رہنما انسانی ترقی کے ان کاموں کو اختیار کرکے دنیا کی تمام بھلائیاں حاصل کرنے میں کامیاب رہے ہیں۔ نیز وہ فرشتوں کے ساتھ شامل ہوکر اُن کی لڑی میں پروئے جاتے رہے ہیں۔ یہاں تک کہ لوگ ایسے اعلیٰ اَخلاق کے حامل لوگوں کو متبرک سمجھ لیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ان کے ہاتھوں اور پاؤں کو چومتے رہتے ہیں۔

کیا کسی فطری مناسبت کے بغیر یہ ممکن ہے کہ اپنی عادات و اطوار، مذاہب کے اختلاف اور دور دراز ممالک میں بسنے کے باوجود تمام عرب و عجم کے لوگ اپنی انسانی نوع کی وحدت کے ساتھ کسی ایک چیز پر متفق ہوں؟ کیسے؟ (فطری مناسبت کے بغیر ایسا ممکن) نہیں۔ جب کہ تم جان چکے ہو کہ انسان کی اصل فطرت میں ملکیت موجود ہے اور (مبحث اوّل کے نوویں باب میں) تم یہ بھی جانتے ہو کہ لوگوں میں اعلیٰ درجے کے فضلا اور اُن کے بڑے بڑے رہنما کون ہیں؟ (یعنی وہ لوگ ہیں، جن میں اعلیٰ درجے کی ملکی صلاحیتیں پائی جاتی ہیں)۔ (المبحث الرّابع: مبحث السّعادة، باب حقيقة السّعادة)

بقیہ بدلتا ہے رنگ آسماں کیسے کیسے!

اس فنڈنگ نے دینی مدارس اور سادہ طرزِ علما کی طرزِ معاشرت تک بدل کر رکھ دی۔ مدارس اور مسجدوں کی سادہ عمارات' بلند و بالا پلازوں میں تبدیل ہوگئیں۔ پجارو، لینڈ کروزرز مسلح افراد کے جھرمٹ میں مذہبی قائدین کو لیے قومی شاہ راہوں پر سرپٹ دوڑتی نظر آتیں۔ یہ سب کچھ دین کی برکت نہیں، بلکہ سامراج کی نظرِ کرم کا نتیجہ تھی۔ آج وقت کی دھول چھٹنے کے بعد سب کچھ نظر آنے لگا ہے تو یہ شرمندہ ہوکر قوم سے اس جرم پر معافی مانگنے کے بجائے اپنے پرانے حلیفوں اور موجودہ حریفوں کو دھمکانے کے لیے راز فاش کرنے کی غرض سے یہ بیانات داغنے لگے ہیں۔ اب ضرورت اس امر کی ہے کہ ان بیانات و اعترافات کی روشنی میں اس گنگا میں نہانے والوں کے بھی اثاثوں کا حساب ہونا چاہیے کہ اس ''جہاد'' میں ان کے اپنے خاندان کا تو کوئی نوجوان جان سے نہیں گیا، لیکن غریب نوجوانوں کے خون کو ڈالروں کے عوض بیچا گیا، اس کا اس دنیا میں بھی حساب ضروری ہے، تاکہ اس ناحق دولت کی لائی مزید کسی مصیبت سے قوم محفوظ رہ سکے۔ (مدیر)

خطبات و بیانات

رپورٹ: سیّد نفیس مبارک ہمدانی، لاہور

کوئی معاشرہ اعلیٰ تعلیم کے بغیر ترقی نہیں کرسکتا

10/ جنوری 2020ء بروز جمعۃ المبارک کو ادارہ رحیمیہ لاہور میں 22 روزہ دورۂ تفسیر قرآن حکیم کا بیسواں روز تھا۔ اس دن حضرت اقدس مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری مدظلہٗ نے ادارہ رحیمیہ لاہور میں جمعہ کے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

''معزز دوستو! دنیا کا کوئی انسانی معاشرہ اعلیٰ علوم کے بغیر ترقی نہیں کرتا۔ جن قوموں کا علم اعلیٰ ہوتا ہے، اُن کی معیشت اور سیاست بھی اعلیٰ ہوتی ہے اور وہی قومیں ترقی کرتی ہیں۔ ہر نظام کسی نہ کسی بنیادی اجتماعیت پر ہی استوار ہوتا ہے۔ وہ علم و عمل کا مجموعہ ہوتا ہے۔ جیسے جیسے اجتماعیت کا دائرہ وسیع ہوتا چلا جاتا ہے، ویسے ہی علم کی جامعیت اور عمل کی مہارت کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے۔ ایک علم وہ ہے، جو انسان نے اپنے اعلیٰ سے اعلیٰ دماغ کے ذریعے سے سیکھا ہے۔ تجربات و مشاہدات سے حاصل کیا ہے۔ ایک علم وہ ہے، جو دنیا کے سب سے ذہین ترین انسانوں، اعلیٰ ترین علمی اور عملی قوت رکھنے والے انبیا علیہم السلام اور بالخصوص امام الانبیا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا۔ اُسے وحیِ الٰہی کہتے ہیں۔ یہ وحیِ الٰہی دراصل انسانی معاشروں میں اعلیٰ علوم منتقل کرتی ہے۔

وحیِ الٰہی کی اعلیٰ ترین شکل کتابِ مقدس قرآن حکیم وہ جامع ترین علم ہے، جو انسانی معاشروں کو ترقی دینے کا ایک واضح علمی اور عملی منہج متعین کرتا ہے۔ کل انسانوں کے انسانی مسائل حل کرنے کا ایک مکمل نظام بیان کرتا ہے۔ اس علم کی عملی شکل حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سیرت اور کردار سے انسانیت کے سامنے واضح کی ہے۔ اس لیے کتابِ مقدس قرآن حکیم کے علم سے وابستگی اختیار کرنا اور اسے اپنے اجتماعات اور معاشروں کو ترقی دینے کے لیے بنیادی حیثیت قرار دینا رہتی دنیا تک انسانیت کا اجتماعی فریضہ ہے۔ قیامت تک تمام انسانوں کے لیے لازمی اور ضروری ہے کہ وہ اس اجتماعی فکر و عمل کو صحیح تناظر میں سمجھیں اور اس کے مطابق اپنے اجتماعی نظام کو قائم کرنے کے لیے جدوجہد اور کوشش کریں۔

سائنس، ٹیکنالوجی اور علم کا تعلق انسانی عقلوں، دماغوں اور قلوب کی طاقت اور قوت کے ساتھ وابستہ ہوتا ہے۔ محض کتابیں اور تحریریں پڑھنا بہت ہی محدود علم ہے۔ علوم کو الفاظ کی قید میں بند نہیں کیا جاسکتا اور نہ ہی عملی حوالے سے اس کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کیا جاسکتا ہے۔ اعلیٰ ترین علم، عقل سے عقل میں آتا ہے۔ قلب سے قلب میں منتقل ہوتا ہے۔ سینے سے سینے میں جاتا ہے۔ اسی لیے ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا بھر میں کوئی بھی علم ایسا نہیں ہے، جو صحبت کے بغیر حاصل ہوسکے۔

معزز دوستو! آپ یہاں ادارہ رحیمیہ لاہور میں پچھلے بیس بائیس دنوں سے، جس دورۂ تفسیر میں شریک ہیں، اس کا بنیادی اساسی ہدف یہی ہے کہ ہم اس علمِ الٰہی یعنی قرآن حکیم کی تعلیمات سے براہِ راست فیض یاب ہوں۔''

ہم نے اپنے جینیئس مفکرین کی تعلیم کو پس پشت ڈال دیا ہے

حضرت آزاد رائے پوری مدظلہٗ نے مزید فرمایا:

''صحابہ کرامؓ نے اپنی پوری زندگی قرآن حکیم کے علم کو عمل میں لانے کے لیے قربان کردی۔ تابعینؒ، تبع تابعینؒ، ائمہ مجتہدینؒ، محدثینؒ و مفسرینؒ اور علمائے ربانیینؒ نے اپنی زندگیاں اس کے اعلیٰ ترین مقاصد کو غالب کرنے میں بسر کیں۔ تب کہیں جا کر اس علم کا ایک حصہ اُنھیں حاصل ہوا۔ سوچنے کی ضرورت ہے کہ کتابِ مقدس قرآن حکیم کے ساتھ آج مسلمانوں کا رویہ کیا ہے؟ حال یہ ہے کہ قرآن حکیم سے ہمارا تعلق بہت ہی رسمی اور سطحی سا ہو گیا ہے۔ پہلے تو عام طور پر قرآن حکیم کو باقاعدہ کوئی علم ہی نہیں سمجھا جاتا۔ اگر کچھ سمجھا جاتا ہے تو زیادہ سے زیادہ اصلاحی وظائف یا تعویذ گنڈوں کی کتاب ہے۔

کبھی ہم نے سوچا کہ قرآن کا پیغام کیا ہے؟ قرآن انسانی اجتماع کے لیے کیا اصول اور سسٹم دیتا ہے؟ کبھی ہم نے اس پر غور و فکر کیا کہ جو کچھ ہم اپنی یونیورسٹیوں میں سیاسیات، معاشیات اور سماجیات کے نام پر پڑھا رہے ہیں، اس میں قرآن حکیم کے علم کا کتنا حصہ ہے؟ ملک کے تعلیمی اداروں میں اپنے خیال کے مطابق جو ہر شعبے کے جینیئس انسان ہیں، اُن کے دماغوں نے جو کچھ سوچا ہے، ایڈم سمتھ اور لارڈ کینز نے جو نظام سوچا، کارل مارکس اور اینگل نے جو نظریہ دیا، وہ تو اپنے طالبِ علم کو پڑھائیں گے، لیکن جو حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلیٰ دماغ نے سوچا، کبھی اس پر بھی گفتگو کی؟ اللہ پاک نے قرآن حکیم میں جو نازل کیا، اسے پیش نظر رکھا؟ صحابہؓ نے جس کا عملی نظام قائم کیا، کیا اس پر ہم نے کوئی کردار ادا کرنے کے لیے غور و فکر اور تدبر کیا؟

ہماری ذہنی پستی کا عالم یہ ہے کہ دنیا کے اعلیٰ ترین، ذہین ترین، امام الانبیا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا دماغ جس چیز کو سوچے، جو فکر پیش کرے، جو نظریہ اور نظام دے، اس کو ہم نے پس پشت ڈال دیا۔ قرآن کے اعلیٰ پیغام کو پیچھے پھینک دیا۔ پھر یہی نہیں، بلکہ حضور ﷺ کے بعد اس علم میں سبقت لے جانے والے اعلیٰ درجے کے صحابہ کرامؓ کے کردار کو بھی فراموش کر دیا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ، عمر فاروقؓ، عثمان غنیؓ، علی المرتضیٰؓ، حسنؓ و حسینؓ، امیر معاویہؓ، کتنے ہی اولوالعزم لوگ ہیں، جنھوں نے دنیا میں عملاً عدل و انصاف کا نظام قائم کر کے ظلم و ستم کی جڑیں کاٹ دیں۔ اتنے بڑے اعلیٰ دماغ کے لوگ ہیں کہ ان جیسے جینیئس پیدا نہیں ہوتے؛ آج اُن کی تعلیمات مسلمانوں نے بھلا دیں۔ مسلمان کو تو نہ صرف خود عمل کرنا تھا، بلکہ انسانیت کو دعوت دینی تھی کہ آؤ ہمارے ان جینیئس لوگوں کی طرف، آؤ کتابِ مقدس کی تعلیمات کی طرف، آؤ نبی اکرمؐ کی احادیث کی طرف۔ اور یہاں ہمارے سکول اور کالج کا نصاب اور نظامِ تعلیم بنانے والے تعلیم دیتے ہیں ایڈم سمتھ، کارل مارکس وغیرہ کے نظریات اور نظام ہائے حیات کی۔ کتنا بڑا افسوس کا مقام ہے کہ احادیث کا انکار کرنے والے، قرآن کو بھی اپنی اس چھوٹی سی سمجھ دانی کی بنیاد پر اپنی ذاتی رائے سے سمجھنے والے آج ہمارے لیڈر بنے بیٹھے ہیں۔''

www.rahimia.org

تعلیم یافتہ طبقے کا ہمارے ملک سے برین ڈرین ہو رہا ہے

حضرت آزادرائے پوری مدظلہٗ نے مزید فرمایا:

’’آج یونیورسٹیوں سے پڑھ کر ڈگریاں لے کر نوجوان نکل رہے ہیں۔ وہ جو کچھ پڑھتے ہیں، چوں کہ اس کا یہاں کوئی سسٹم نہیں ہے، اس لیے وہ ڈگری ہولڈر نوجوان عالمی سامراجی نظام کی ملازمت کے لیے ملک سے باہر بھاگتے ہیں۔ بیس پچیس سال ہماری ریاست اس نوجوان پر خرچ کرے، دوسرے ملکوں سے قرض لے کر اُن کی ذمہ داریاں ریاست ادا کرے، پھر جب ریاستی وسائل سے وہ کسی علم کا ماہر بن جائے تو وہ باہر جا کر امریکا، برطانیہ اور سعودی عرب کے لیے کردار ادا کرے۔ یہ کتنا بڑا المیہ ہے۔ ہماری حکومت آج فخر سے کہتی ہے کہ ہم نے ایک سال میں آٹھ لاکھ انسان روزگار کے لیے ملک سے باہر بھیجے ہیں۔ کبھی سیاسی شعور کے حوالے سے سوچا کہ جس کو تم اپنے ملک سے باہر نکال رہے ہو، اور دوسرے ملک میں بھیجتے ہو، اس ملک میں اس کی سیاسی حیثیت زیرو ہے۔ سیاسیات کا بنیادی مسلمہ اصول ہے کہ ممالک اپنی اقوام کی تعلیم و تربیت اور اُن کی طاقت وقوت سے بنتے ہیں۔ بالخصوص آج کے نیشنلزم کے دور میں کون شخص ہے، جو غیر ملک میں رہے اور اُس کی وہاں کوئی سیاسی قیمت ہو؟ کسی بھی وقت آرڈر ملے اور اٹھا کر باہر پھینکا جا سکتا ہے۔ امریکا، سعودیہ وغیرہ کی مثالیں ہمارے سامنے ہیں۔

طاقت اپنے ملک میں ہوتی ہے اور آج ہمارا نوجوان ڈگریاں لے کر اپنے ملک کی طاقت بننے کے بجائے دوسروں کی خدمت کرنے کے لیے دنیا بھر میں اپنا سی وی (C.V) بھیجتا ہے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے پرانے زمانے میں غلاموں کی تجارت ہوتی تھی تو ہر غلام کے گلے میں ایک تختی لٹکائی جاتی تھی کہ غلام کا نام کیا ہے، نسل کیا ہے، یہ کس خاندان کا ہے، یہ کیا کام کر سکتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ اس کی بنیاد پر اس غلام کا سودا ہوتا تھا۔ آج جو نوجوان دوسرے ملکوں کو ملازمت کے لیے اپنا سی وی دیتا ہے۔ یہ غلامی کی تختی نہیں تو اور کیا ہے؟!

قرآن حکیم آج یہ شعور پیدا کرتا ہے کہ ہر قوم اپنے پاؤں پر کھڑی ہو۔ اپنا معاشی اور اقتصادی سسٹم درست کرے۔ اپنا سیاسی نظام مضبوط بنائے۔ قرآن نے کہا: کتنی ہی ایسی قومیں تھیں، جن کا معاشی نظام مصنوعی اور نمود و نمائش کا تھا۔ تکبر اور غلو پر مبنی اور انسانیت دشمنی کا تھا۔ انھیں ہم نے تباہ و برباد کر دیا۔ حضوؐر کی سیرت یہ ہے کہ مدینہ کو اپنے پاؤں پر کھڑا کر کے ترقی یافتہ بنایا، تب ریاستِ مدینہ بنی۔ آج ریاستِ مدینہ کے نعرے لگائے جاتے ہیں، لیکن ریاستِ مدینہ کا نظام قائم کرنے کے لیے حضوؐر نے جو جدوجہد اور کوشش اور کاوش کی، کیا اُسے عمل میں لانے کے لیے تیار ہیں؟

آج تعلیم حاصل کرنے کا نظریہ صرف ملازمت حاصل کرنے کا بن گیا۔ دنیا کی کوئی قوم محض ملازمتوں سے ترقی حاصل نہیں کرتی۔ تبھی ترقی کرتی ہے کہ وہ اپنی زراعت، تجارت اور صنعت میں ترقی یافتہ ہو۔ اس میں مہارت اور صلاحیت پیدا کرے۔ معاشی خوش حالی اور آزادی و حریت کے ساتھ امن و امان کا اپنا نظام خود قائم کرے اور چلائے۔‘‘

قرآن حکیم کا اعلیٰ علم ہی ہماری ترقی کا ضامن ہے

حضرت آزادرائے پوری مدظلہٗ نے مزید فرمایا:

’’آج مسلمان‘ دین کا عالم، قرآن کا حافظ اور دین دار ہونے کا دعوے دار ہے، کلمہ پڑھتا ہے، لیکن اس کے باوجود اس کا عملی نظام قائم کرنے کے لیے کردار ادا نہیں کرتا۔ وہ اسی ظلم کے سسٹم کو، غلامی کے اُسی سرمایہ دارانہ نظام کو قبول کیے ہوئے ہے، جو انسانیت کے لیے تباہی و بربادی کا باعث ہے۔ جس کے نتیجے میں آج ذلت اور رُسوائی اُس کا مقدر ہے۔ دہشت گردی یہاں، خوف یہاں، قتل و غارت گری یہاں، معاشی بے انصافی یہاں، سوسائٹی میں فساد یہاں، ساری چیزیں ہونے کے باوجود یہ کہا جائے کہ جی یہ اسلامی جمہوریہ پاکستان ہے؟ اس سے بڑا دھوکا نہیں ہو سکتا۔

اصل بنیادی چیز قرآن کے اُس اعلیٰ نظریے کو حاصل کرنا اور اُس کی اساس پر اپنی تربیت، مہارت اور صلاحیت اپنے اندر پیدا کرنا ہے۔ محض ڈگریاں حاصل کرنے سے دنیا میں کوئی ترقی نہیں ہوتی۔ تربیت تبھی حاصل ہوتی ہے کہ جب اپنے رویے، اپنی عقل، شعور اور اپنے جسم کے تمام اعمال کو منظّم کیا جائے۔ تنظیمی اجتماعیت پیدا کی جائے۔ جدوجہد کا راستہ اختیار کیا جائے۔ قربانی کا جذبہ بیدار ہو۔

ادارہ رحیمیہ میں دورۂ تفسیر کا مقصد قرآن حکیم کا انقلابی پیغام، اُس کا علم، اُس پر عملی مہارت پیدا کرنا ہے، بالخصوص امام الانبیا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدینؓ کے سسٹم کو سمجھنا ہے۔ اُن کی عقلوں اور قلوب میں نازل شدہ علم کو اپنے دل و دماغ میں منتقل کرنا ہے۔ یہ سمجھنا محض رسمی یا سرسری اور سطحی طور پر نہیں، بلکہ آزادی و حریت کی اساس پر اپنے دل و دماغ کو ان کے ساتھ وابستہ کرنا ہے۔ یہی قرآن حکیم کی تعلیم کا بنیادی ہدف ہے۔

بیس بائیس دن کے دورۂ تفسیر میں پورا قرآن حکیم نہیں سیکھا جا سکتا۔ آپ نے جو کچھ یہاں سیکھا، یہ سارا علم نہیں ہے، بلکہ یہ مطالعے کا ایک اندازِ فکر اور اُسلوب ہے۔ اس پیٹرن پر خود سیکھئے، مطالعہ کیجیے، اپنی اجتماعیت کا حصہ بنیے۔ ڈسپلن اختیار کیجیے۔ اجتماعیت کو عملی طور پر پیدا کرنے اور اپنے نظم و تربیت کے لیے کردار ادا کیجیے۔ تبھی ہم دنیا کی اس ذلت اور رُسوائی سے نکل سکتے ہیں۔ ورنہ غلامی کی سیاہ رات مسلسل بڑھتی جائے گی۔ ڈھائی سو سال سے ہمارے آبا و اجداد تقریباً بارہ پندرہ نسلوں سے غلام چلے آرہے ہیں۔ یہی غلامی کی سیاہ رات آگے بڑھتی چلی جائے گی۔

غلامی سے نجات اور دنیا و آخرت کی ترقی کا ایک ہی راستہ ہے کہ ہم قرآن حکیم کے ساتھ دل و جان سے وابستہ ہو کر اس حوالے سے عملی صلاحیت، استعداد اور اس کا علم اپنے اندر منتقل کریں۔ تبھی دنیا اور آخرت کی کامیابی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں عقل و شعور نصیب فرمائے۔ قرآن کا فہم نصیب فرمائے اور اس کے مطابق کردار ادا کرنے اور اپنی عملی ذمہ داریوں کو نبھانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!‘‘

عظمت کے مینار

وسیم اعجاز، کراچی

سَحبانُ الہِند حضرت مولانا احمد سعید دہلویؒ

برعظیم پاک و ہند کی آزادی کی تاریخ میں نمایاں کردار ادا کرنے والی عظیم شخصیت شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسنؒ نے سیاسی شعور کی بیداری اور قومی کردار ادا کرنے کے لیے جن اہم اداروں کی بنیاد رکھی، ان میں جمعیت علمائے ہند کا نام سرِفہرست ہے۔ جمعیت علمائے ہند کا تذکرہ حضرت مولانا احمد سعید دہلویؒ کے بغیر ادھورا ہے۔

مولانا احمد سعید دہلویؒ کی پیدائش یکم ربیع الثانی ۱۳۰۶ھ/ 5 دسمبر 1888ء کو دہلی میں حافظ نواب مرزا کے ہاں ہوئی۔ ان کے والدِ گرامی زینت المساجد دہلی میں منصبِ امامت پر فائز تھے۔ انھوں نے ابتدائی تعلیم مولوی عبدالمجید مصطفیٰ آبادی سے حاصل کی۔ حفظِ قرآنِ حکیم مدرسہ حسینیہ مٹیا محل بازار دہلی میں مکمل کیا۔

مولانا احمد سعید دہلویؒ 1908ء سے 1910ء تک دہلی کے فوارہ چوک میں لوگوں کو وعظ و نصیحت کیا کرتے تھے۔ سامنے ہی جامعہ امینیہ تھا، جس میں مفتیٔ اعظم حضرت مفتی کفایت اللہ دہلویؒ صدر مدرس تھے۔ اسی مدرسے کے طلبا کے ذریعے ان کا تعارف مفتی صاحبؒ سے ہوا اور اس مدرسے میں باقاعدہ تعلیم حاصل کرنے لگے۔ اس طرح مولانا موصوفؒ مفتی صاحبؒ کے زیرِ تربیت آ گئے۔ مدرسے کے اوقات کے علاوہ بھی مفتی صاحبؒ سے رہنمائی کا سلسلہ جاری رہا۔ تعلیم سے فراغت کے بعد مولاناؒ کو مفتی صاحبؒ نے بہ طور معین مدرّس مدرسہ امینیہ میں مقرر کیا۔ مولاناؒ کئی سال تک اس مدرسے میں خدمات سرانجام دیتے رہے۔ مفتیٔ اعظمؒ نے بھی مولاناؒ کی خاص توجہ اور خلوص سے تربیت فرمائی اور مولاناؒ نے بھی کمال سعادت مندی کا ثبوت دیا۔

1919ء میں جب مفتیٔ اعظمؒ نے جمعیت علمائے ہند کے قیام کے لیے اکابرین سے مذاکرات کیے تو اس میں مولانا احمد سعید دہلویؒ مفتی صاحبؒ کے ساتھ ہر لمحہ شریک رہے۔ جب ہندوستان کے تمام علما کی فہرست مرتب کرنے کا وقت آیا تو اس میں مفتی صاحبؒ کی معاونت فرمائی۔ دیگر تمام اکابرین کے ساتھ مل کر ملک بھر میں دورے کیے۔ جمعیت علمائے ہند کی سیاسی اہمیت اُجاگر کی اور عملی اور مالی حوالے سے معاونت کے لیے لوگوں کو تیار کیا۔ جمعیت کے مالی معاملات کی نگرانی، تمام متعلقہ علما کے ساتھ خط و کتابت کے ذریعے رابطے اور دورہ جات میں پیش پیش رہے۔

تحریکِ ریشمی رومال کی پاداش میں ''رولٹ ایکٹ'' کے خلاف پورے ملک میں احتجاجی سلسلہ ہو یا تحریکِ خلافت اور تحریکِ عدمِ تعاون، ہر محاذ پر جمعیت علمائے ہند کی زیرِ قیادت مسلمانوں نے بھرپور حصہ لیا۔ یہ دور برعظیم میں ہر طبقے کے اتحاد اور جدوجہد کے کمال کا دور تھا۔ انھی تحریکات کے دوران جہاں دیگر اکابرین کو قید و بند کی مشقتیں جھیلنا پڑیں، وہیں مولانا احمد سعید دہلویؒ کو بھی 8 بار جیل جانا پڑا۔ مختلف جیلوں میں ان کو بان باٹنے اور چکی پیسنے کے علاوہ کئی اَور مشقتوں سے گزرنا پڑا، جو بہت زیادہ تکلیف دہ تھیں۔ اسی زمانۂ اسیری کی یاد میں اپنا تخلص ''اسیر'' لکھا کرتے تھے۔

1920ء شردھانند کی جانب سے شُدھی کی تحریک شروع کی گئی تو اس وقت مولاناؒ جمعیت کے ناظم تھے۔ 1920ء سے 1926ء کے دوران بے شمار تبلیغی وفود مختلف علاقوں میں اس تحریک کے سدِباب میں بھیجے گئے تھے، جن کا تمام انتظام مفتیٔ اعظمؒ کی سربراہی میں مولانا موصوفؒ نے ہی کیا۔

1947ء کے ہنگامہ خیز دور میں سیّد الملّت مولانا سیّد محمد میاںؒ، مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ، امام الہند مولانا ابوالکلام آزادؒ، شیخ الاسلام مولانا سیّد حسین احمد مدنیؒ اور دیگر رہنماؤں کے ساتھ مل کر مولاناؒ نے ملک بھر کے مسلمانوں کے مسائل کو حل کرنے میں جو خدمات سرانجام دیں، وہ سنہری حروف سے لکھے جانے کے قابل ہیں۔ عوام الناس کے مسائل کو حل کرنے کے لیے حکومتی حکام کے پاس بار بار جانا اور اس دوران اپنے امراض کی بھی پرواہ نہ کرنا اور ساتھ ساتھ علمی مشاغل بھی جاری رکھنا ایک غیر معمولی کام تھا۔

مولانا موصوفؒ تقریباً 20 کتابوں کے مصنف بھی ہیں۔ سب سے بڑا اور مرقعِ علمی کام قرآنِ حکیم کی اُردو تفسیر ہے، جسے 1956ء میں مکمل فرمایا اور ان کے وصال کے بعد ''تفسیر کشف الرّحمٰن'' کے نام سے شائع ہوئی۔

مولانا موصوفؒ کی فصاحت و بلاغت اور خوش گفتاری و شیریں مقالی ضرب المثل تھی۔ اس لیے ہندوستان کے اہلِ علم نے انھیں ''سَحبانُ الہِند'' کا خطاب دیا۔ ''سَحبان'' حضرت امیر معاویہؓ کے دور میں ایک مشہور شاعر گزرا ہے، جس کی فصاحت و بلاغت ضرب المثل تھی۔ حضرت شیخ الاسلام مولانا سیّد حسین احمد مدنیؒ ہمیشہ ان کو ''اعلیٰ حضرت'' کہہ کر مخاطب کرتے تھے۔ مولانا ابوالکلام آزادؒ ایسے بے مثل خطیب نے بھی مولانا موصوفؒ کو ان الفاظ میں مخاطب کیا ہے کہ: ''مولانا! اگر آپ ایسی ہی تقریر کیا کرتے ہیں تو دنیائے اسلام میں آپ کا جواب نہیں ہے۔''

1953ء میں مفتیٔ اعظم حضرت مفتی کفایت اللہ دہلویؒ کے وصال کے بعد مولانا کو مدرسہ امینیہ دہلی کا مہتمم بنایا گیا۔ 1955ء میں شرپسندوں کی جانب سے ان پر جان لیوا حملہ بھی ہوا، جس میں باوجود گہرے زخموں کے مولاناؒ جاں بر ہو گئے۔ 1957ء میں مولانا سیّد حسین احمد مدنیؒ کے وصال کے بعد جمعیت علمائے ہند کے صدر مقرر ہوئے۔ مولانا موصوفؒ عالمِ دین، حافظِ قرآن، سیاسی مدبر اور بے لوث سماجی رہنما تھے۔

حضرت مولانا احمد سعید دہلویؒ 1945ء سے ہی دل کے عارضے میں مبتلا ہو گئے تھے، لیکن خدمتِ خلق میں ذرہ برابر فرق نہ آنے دیا۔ 4 دسمبر 1959ء بروز جمعۃ المبارک کو فصاحت و بلاغت کا پیکر ہمیشہ کے لیے خاموش ہو گیا۔ مولاناؒ کی تدفین ''مہرولی'' میں حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کی درگاہ کے باہر حضرت مفتیٔ اعظم مفتی کفایت اللہ دہلویؒ کے پہلو میں کی گئی۔ ان کے مزارِ مبارک پر یہ شعر درج ہے ؎

داغِ فراقِ صحبتِ شب کی جلی ہوئی
ایک شمع رہ گئی تھی، سو وہ بھی خاموش ہے

www.rahimia.org

رفتارِ کار — رپورٹ: نقاش علی عباسی، لاہور

ادارہ رحیمیہ لاہور میں 22 روزہ دورۂ تفسیر قرآن حکیم کی رُوداد

قومیں جب آزاد ہوتی ہیں تو اپنے افکار کو براہِ راست اپنے منبع افکار سے حاصل کرتی ہیں۔ اپنے افکار کے مطابق ایک نظامِ عمل تشکیل دیتی ہیں۔ فکر و عمل کی اس ہم آہنگی سے جہاں زندگی میں نکھار پیدا ہوتا ہے، وہاں بہت ساری غیر ضروری چیزیں افکار و اعمال سے الگ ہو جاتی ہیں۔ ایک اَور فائدہ یہ بھی ہوتا ہے کہ نئے پیش آنے والے مسائل فکر اور نظامِ عمل کے سامنے سوالیہ نشان بن کر نہیں کھڑے ہوتے، بلکہ حل ہو کر اس عملی نظام میں جذب ہوتے چلے جاتے ہیں۔ فکر اور عمل کی ہم آہنگی کی ایک خصوصیت جو سب سے اہم ہے، وہ یہ ہے کہ اس سے قوم میں یک رنگی اور قومی اتحاد پیدا ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ فکر کو عمل میں ڈھالنے اور قومی سسٹم کا حصہ بنانے میں وہی رائے قابل قبول ہوتی ہے، جو قابلِ عمل بھی ہو اور وہی عمل معتبر ہوتا ہے، جو خالص فکر کے مطابق ہو۔ گویا علمی اور فکری انتشار کا تدارُک وقت کے ساتھ ساتھ ہوتا جاتا ہے۔

جب کوئی قوم زوال سے دوچار ہوتی ہے تو سب سے پہلے وہ اپنے نظامِ فکر و عمل سے کٹتی ہے۔ یعنی فکری اور عملی ہم آہنگی ختم ہو جاتی ہے۔ اور جب کوئی فکر اپنے نظامِ عمل سے کٹ جائے تو اہلِ فکر میں رجعت پسندی کا عنصر غالب آجاتا ہے۔ نئے پیش آمدہ مسائل اس فکر کے سامنے سوالیہ نشان بن کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اس فکر پر طرح طرح کے اعتراضات کر کے اسے فرسودہ قرار دیا جاتا ہے۔ اہلِ فکر ان اعتراضات اور سوالات کا جواب تو کیا دیں گے، وہ خود بھی اس فکر کو عمل سے جوڑ نہیں پاتے۔ چناں چہ ہندوستان کے مسلمانوں کے ساتھ بھی یہی ہوا۔ جب انگریز ہندوستان پر غالب آئے تو انھوں نے مسلمانوں کو فکر کے عملی نظام سے کاٹ دیا۔ نتیجتاً مسلمان عمل سے تو کٹ ہی گئے، مگر زیادہ خرابی تب پیدا ہوئی، جب فکر میں ہی رائے کا اختلاف پیدا ہوا، جو بڑھتے بڑھتے مختلف مکاتبِ فکر فرقوں کی صورت اختیار کر گئے۔ ایسی صورت میں فکری اتحاد اور یک رنگی سِرے سے ہی ختم ہوگئی۔

جب کوئی فکر قومی نظامِ عمل سے کٹ جائے تو ضرورت اس بات کی ہوتی ہے کہ ایک بار پھر عمل کو فکر کے مطابق تشکیل دیا جائے۔ ولی اللّٰہی سلسلے کی یہی خصوصیت ہے کہ انھوں نے دینی فکر کے منبع یعنی قرآن حکیم (جو کہ مسلمانوں کے افکار کا سرچشمہ ہے) کو سمجھنے سمجھانے کا رواج پیدا کیا۔ انھوں نے اس انداز میں ہندوستان کے طول و عرض میں خصوصی طور پر دروسِ قرآن کا سلسلہ شروع کیا۔ ولی اللّٰہی سلسلے کے اس عمل کو جاری رکھتے ہوئے خانقاہِ عالیہ رحیمیہ رائے پور نے بھی اس کام کو آگے بڑھایا اور اس خطے کے عظیم مفکر امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے اصولِ تفسیر پر قرآن حکیم کی تعلیمات کو فروغ دیا۔

اسی سلسلے میں خانقاہِ عالیہ رحیمیہ رائے پور کے چوتھے مسند نشین حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوری نور اللہ مرقدہٗ نے ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ (ٹرسٹ) لاہور قائم فرمایا۔ آپؒ کے پیش نظر فکر و عمل کی یہی ہم آہنگی تھی، جس کی عدم موجودگی ہی ہمارے قومی زوال کی سب سے بڑی وجہ ہے۔

اسی مناسبت سے ہر سال کی طرح اس سال بھی ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ (ٹرسٹ) لاہور میں 22 روزہ دورۂ تفسیر قرآن حکیم کا انعقاد کیا گیا، جس میں ملک بھر سے کثیر تعداد میں نوجوانوں نے شرکت کر کے قرآن حکیم کے عملی نظام کو سیکھا۔ اس کے علاوہ ملک بھر سے ولی اللّٰہی فکر سے تعلق رکھنے والے علما، مدرّسین تشریف لائے، جن میں حضرت مولانا ڈاکٹر مفتی سعید الرحمٰن (ملتان)، حضرت مولانا مفتی عبدالمتین نعمانی (بورے والا)، حضرت مولانا مفتی عبدالقدیر (چشتیاں)، حضرت مولانا مفتی محمد مختار حسن (نوشہرہ) اور دیگر علما شامل ہیں۔

اس سال دورۂ تفسیر قرآن حکیم کی ایک اہم خصوصیت یہ رہی کہ اس میں حضرت اقدس مولانا مفتی شاہ عبدالخالق آزاد رائے پوری مدظلہٗ نے علمائے کرام اور ایم فل و پی ایچ ڈی سکالرز کو امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی کتاب "المقدّمه في قوانين التّرجمه" پڑھائی اور شاہ صاحبؒ کے فارسی ترجمہ قرآن "فتح الرّحمٰن بترجمة القُرآن" کے ابتدائی چھ پاروں کے تفسیری حواشی کی تشریح کی اور اُن کی معنویت واضح کی۔

یہ 22 روزہ دورۂ تفسیر قرآن حکیم 22 دسمبر 2019ء کو شروع ہوا، جس کا شیڈول کچھ اس طرح سے تھا کہ روزانہ نمازِ فجر کے بعد حضرت اقدس رائے پوری مدظلہٗ کا درس قرآن — جو گزشتہ سال کے آغاز سے روزانہ بعد نمازِ فجر ہوتا ہے — بدستور جاری رہا۔ تقریباً ساڑھے آٹھ بجے تک چائے اور حضرت رائے پوری مدظلہٗ کے ساتھ استفادہ نشست ہوتی رہی۔ اس کے بعد سے ساڑھے نو بجے تک حضرت مولانا مفتی محمد اشرف عاطف فقہی مسائل کی نشست اور "تعلیم الاسلام" از مفتی کفایت اللہ دہلویؒ پر لیکچر دیتے۔ اس کے بعد ساڑھے دس بجے تک قرآن حکیم کی تفسیر پڑھائی جاتی۔ پھر کھانے کے وقفے کے بعد دوبارہ ساڑھے گیارہ بجے سے نمازِ ظہر تک تفسیر کا درس چلتا۔

نمازِ ظہر کی ادائیگی کے بعد حضرت اقدس رائے پوری مدظلہٗ "المقدّمه في قوانين التّرجمه" اور "فتح الرّحمٰن بترجمة القُرآن" کا درس ارشاد فرماتے۔ اس دوران دیگر سٹوڈنٹس کے لیے دینی سماجی موضوعات پر لیکچرز کا علاحدہ سے اہتمام ہوتا۔ نمازِ عصر کے بعد چائے اور حضرت اقدس رائے پوری اور دیگر مفتیانِ کرام کے ہمراہ استفادہ نشست کا اہتمام ہوتا۔ پھر نمازِ مغرب کے بعد مجلس ذکر، نمازِ عشا اور کھانا ہوتا۔ اس کے بعد رات گیارہ بجے تک امام عبیداللہ سندھیؒ کی تفسیر "قرآنی شعورِ انقلاب" کی سورتوں کی تفسیر بیان کی جاتی۔ آخر میں سوال و جواب کی نشست منعقد ہوتی، جس میں حضرت مولانا ڈاکٹر مفتی سعید الرحمٰن مدظلہٗ اور حضرت مولانا مفتی عبدالمتین نعمانی مدظلہٗ سے خصوصی استفادہ ہوتا رہا۔ اس طرح صبح سے لے کر رات گئے تک تعلیم و تدریس و تفسیر قرآن کا سلسلہ جاری رہا۔

اس دورۂ تفسیر قرآن حکیم کا اختتام 12/ جنوری 2020ء کو ہوا، جس کی تکمیلی نشست میں دورۂ تفسیر کا امتحان پاس کرنے والے پوزیشن ہولڈرز اور دیگر طلبا میں انعامات اور اسناد تقسیم کی گئیں۔ اس نشست میں حضرت مولانا مفتی محمد مختار حسن، حضرت مولانا مفتی عبدالمتین نعمانی، حضرت مولانا ڈاکٹر مفتی سعید الرحمٰن اور حضرت اقدس رائے پوری مدظلہم نے خطابات ارشاد فرمائے اور آخر میں حضرت اقدس کی دعا سے یہ نشست اور دورۂ تفسیر قرآن حکیم تکمیل پذیر ہوا۔

www.rahimia.org

Monthly RAHIMIA Lahore CPL No. 59

رفتارِ کار

رپورٹ: وسیم اعجاز، کراچی

ناظم اعلیٰ ادارہ رحیمیہ کا بیت الحکمت، ہمدرد یونیورسٹی، کراچی کا دورہ

ناظمِ اعلیٰ ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ (ٹرسٹ) لاہور حضرت اقدس مولانا مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری مدظلہٗ کراچی کے سفر کے دوران مؤرخہ 5/ستمبر 2019ء بروز جمعرات کو ہمدرد یونیورسٹی، مدینۃ الحکمت، نارتھ کراچی میں واقع لائبریری ''بیت الحکمت'' بھی تشریف لے گئے۔ اس وزٹ کا اہتمام حافظ محمد شوکت اور ڈاکٹر حبیب احمد نے کیا تھا۔ حضرت اقدس کی معیت میں راقم الحروف، پروفیسر ڈاکٹر سعید اختر اور مولانا ہدایت اللہ صبح 10 بجے ہمدرد یونیورسٹی پہنچے، جہاں پہلے سے موجود لائبریری ڈائریکٹر پروفیسر ملاحت کلیم شیروانی، ڈپٹی ڈائریکٹر پروگرامز حکیم محمد عثمان اور لائبریری کے دیگر سٹاف ممبرز نے پُر تپاک استقبال کیا۔ بیت الحکمت لائبریری کا شمار پاکستان کی بڑی لائبریریوں میں ہوتا ہے۔ 5 لاکھ سے زائد کتب کی حامل اس لائبریری کو دنیا کے 2000 سے زائد تعلیمی اداروں کے ساتھ آن لائن مربوط کیا گیا ہے۔

حضرت اقدس مدظلہٗ کے وہاں پہنچنے سے قبل لائبریری کی انتظامیہ نے اس وزٹ کے مراحل کو ترتیب دے رکھا تھا۔ پہلے مرحلے میں حکیم محمد سعیدؒ کے رفیقِ کار حکیم محمد عثمان (ڈپٹی ڈائریکٹر پروگرامز) نے اپنی پوری ٹیم کے ہمراہ حضرت اقدس اور دیگر احباب کو اس سیکشن کا دورہ کروایا، جس میں حکیم محمد سعیدؒ کی زندگی کے تمام گوشوں کو تصویری شکل میں محفوظ کیا گیا ہے۔ حکیم سعیدؒ کے زیرِ استعمال تمام اشیا بھی اسی سیکشن کی زینت ہیں، جنھیں یہاں کی انتظامیہ نے بڑی عقیدت کے ساتھ محفوظ کیا ہوا ہے۔

دوسرے مرحلے میں حضرت اقدس مدظلہٗ نے مخطوطات کے سیکشن انچارج جناب عبدالحمید کی رہنمائی میں چنیدہ مخطوطات ملاحظہ کیے۔ مختلف موضوعات پر مشتمل یہ مخطوطات پوری دنیا سے جمع کر کے یہاں ترتیب سے رکھے ہوئے ہیں، جن سے تشنگانِ علم اپنی علم کی پیاس بجھاتے ہیں۔ تیسرے مرحلے میں لائبریری کے دیگر حصوں میں موجود کتب دیکھیں۔ بیت الحکمت کے ڈیٹا کوآرڈینیٹر جناب مراد علی نے ترتیب کے ساتھ پوری لائبریری کا وزٹ کروایا۔ یہاں کتابیں دستور کے مطابق موضوعاتی ترتیب سے سلیقے سے رکھی گئی ہیں۔ لائبریری میں طلبا کے بیٹھنے کا خاص انتظام کیا گیا ہے۔

چوتھے مرحلے میں حضرت اقدس مدظلہٗ اور دیگر احباب کو لائبریری کی ڈائریکٹر پروفیسر ملاحت کلیم نے بیت الحکمت کا مکمل تعارف کرایا اور ادارے کی ترجیحات سے وفد کو آگاہ کیا۔ اسی دوران حضرت اقدس مدظلہٗ نے ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ (ٹرسٹ) لاہور کی جانب سے شائع شدہ کتب لائبریری کے لیے ڈائریکٹر کو پیش کیں۔ لائبریری انتظامیہ کی جانب سے مہمانوں کے لیے ریفریشمنٹ کا اہتمام کیا گیا تھا۔

نمازِ ظہر کی ادائیگی کے بعد حضرت اقدس مدظلہٗ دیگر احباب کے ہمراہ یونیورسٹی احاطے میں واقع حکیم محمد سعیدؒ کے مزار پر بھی تشریف لے گئے۔ اس کے بعد ادارہ رحیمیہ کراچی کیمپس کو واپسی ہوئی۔

دینی مسائل

اس صفحے پر قارئین کے سوالات کے جوابات دیے جاتے ہیں!

از حضرت مفتی عبدالقدیر شعبۂ دارالافتا ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ (ٹرسٹ) لاہور

سوال مغرب کی نماز کا آخری تشہد پڑھ لیا تھا کہ مقتدی نے غلطی سے ''سبحان اللہ'' کے ذریعے لقمہ دے دیا۔ امام نے اس پر مزید ایک رکعت پڑھ کر پھر تشہد پڑھ کر سجدہ سہو کرلیا۔ کیا اب نمازِ مغرب ادا ہوگئی یا دوبارہ اعادہ کرنا ہوگا۔

غلام یاسین، بھکر

جواب امام چوں کہ نمازِ مغرب کا آخری تشہد بیٹھ چکا ہے، غلطی سے اگرچہ چوتھی رکعت کے لیے کھڑا ہوگیا تو اس کو چوتھی رکعت کا سجدہ کرنے سے پہلے یاد آنے پر واپس آ کر سجدہ سہو کر کے نماز پوری کرنی چاہیے۔ اگر اس نے چوتھی رکعت پڑھ لی تو اس کو پانچویں رکعت بھی ملا لینی چاہیے اور آخر میں سجدہ سہو سے نماز پوری کرنی چاہیے۔ اس صورت میں 3 رکعت نمازِ مغرب اور دو رکعت نفل ہو جائیں گی۔ اگر شک کی وجہ سے پانچویں رکعت نہیں ملائی تو بھی نمازِ مغرب صحیح ہوگئی۔

سوال نمازِ فجر میں دو رکعت کے بعد امام صاحب تشہد میں بیٹھنے کے بجائے کھڑے ہوگئے اور مقتدی کے لقمہ دینے پر بیٹھ گئے، پھر سجدۂ سہو کر کے نماز مکمل کرلی تو کیا اب نماز ادا ہوگئی یا چار رکعت پڑھنی چاہیے تھیں؟

جواب (۱) نمازِ فجر کی دو رکعت کے بعد اگر امام بغیر تشہد پڑھے تیسری رکعت کے لیے کھڑا ہوگیا تو اس کو یاد آنے پر یا لقمہ دینے سے تیسری رکعت کے سجدے سے پہلے واپس آ گیا تو سجدۂ سہو سے اس کی نمازِ فجر صحیح ادا ہو جائے ہوگئی۔ (۲) اگر تیسری رکعت کا سجدہ بھی کرلیا تو پھر چوتھی رکعت ملا کر چار رکعات پوری کرنی چاہئیں۔ یہ چار رکعت نفل ہوں گی۔ نمازِ فجر کی دو رکعت فرض دوبارہ ادا کرنا ہوں گی۔ (۳) جب کہ ائمہ احناف میں سے امام طحاویؒ کے قول پر آخری قعدہ فرض نہیں، بلکہ واجب ہے۔ لہٰذا ان کے قول کے مطابق دو رکعت نمازِ فجر ادا ہو جائے گی اور دو رکعت نفل شمار ہوں گے۔ فقط واللہ اعلم!

سوال ایک عورت کو وراثت میں زمین ملی تھی، لیکن یہ زمین ابھی اس کے نام نہیں ہوئی تھی کہ اس عورت کا انتقال ہوگیا اور مال کا پٹواری اس گاؤں میں گیا، جہاں وہ زمین تھی اور لوگوں سے اس عورت کی اولاد کے بارے میں پوچھا، تاکہ زمین ان کے نام لگا دی جائے۔ لوگوں نے اس کو دو بیٹوں اور ایک بیٹی کا بتایا، جب کہ اس کے تین بیٹے اور تین بیٹیاں تھیں، لیکن لوگوں کو صحیح علم نہ تھا۔ وہ زمین پٹواری نے دو بیٹوں اور ایک بیٹی کے نام لگا دی۔ اب یہ وضاحت مطلوب ہے کہ: (۱) کیا اس میں سے باقی ایک بیٹا اور دو بیٹیوں کو حصہ ملے گا؟ (۲) 2۔ کیا جن کے نام زمین لگ چکی ہے، وہ اس میں کوئی تصرف کرسکتا ہے؟ (۳) اگر ان میں سے کوئی وہ زمین کسی کو ہبہ کر دے تو اس کا کیا حکم ہے؟

جواب صورتِ مسئولہ میں متوفیہ کی وراثت کے کل نو حصے کیے جائیں گے۔ ان میں سے 2،2 حصے برابر تینوں بیٹوں کو اور ایک ایک حصہ برابر تینوں بیٹیوں کو ملیں گے۔ قبل ازیں جو غلط تقسیم کی گئی ہے، وہ شرعاً باطل ہے۔ دوبارہ تقسیم سے قبل اس میں تصرف صحیح نہیں۔ چوں کہ وہ ہبہ ابھی مشترک سے ہے، درست انتقال سے قبل ہبہ فاسد ہے۔

مدیرِ اعلیٰ مفتی عبدالخالق آزاد طابع و ناشر نے اے۔ جے پرنٹرز 28/A نسبت روڈ لاہور سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ ''رحیمیہ'' رحیمیہ ہاؤس 33/A کوئینز روڈ لاہور سے جاری کیا۔

www.rahimia.org